

جوڑے آسمانوں پر بننے ہیں مگر شاید کسبھی نہیں۔

عالیہ بخاری

ماہ پارہ نے شاید سنا بھی نہیں۔

”نرس بتا رہی تھی رات سے اب تک سات کیس ہو چکے ہیں جن میں چھ لڑکے اور ایک بس یہی لڑکی ہے آخر میری ہی قسمت میں کیوں لکھی گئی ہیں لڑکیاں؟“  
تکلیف تو میں نے بھی اتنی ہی اٹھائی ہے جتنی بیٹے پیدا کرنے والیوں نے!“ اُس کی دماغی روایک ہی طرف سے بچے چلے جا رہی تھی۔ مہر النساء نے ایک نگاہ پارہ کی جانب کی تو اس نے اس موقع کے لیے خاص طور سے چکن کا خوب سورت سلا ہوا جوڑا پہننا نہ بھولا۔ دونوں ہاتھوں میں سونے کی جوڑیاں، گلے میں بھاری سے لاکٹ والی زنجیر اور زونڈوں کے ٹاپس اور اس سارے جگمگاتے ہوئے پس منظر کے ساتھ یہ ناخن ہونے والا، دل ہلا دینے والا دادیلا! مہر النساء کو شہید ہی تو آنے لگا۔  
”بس کرو اللہ کے واسطے، اتنی نعمتیں خدا نے دے رکھی ہیں اُس کا کچھ احساس ہے تمہیں! آرام دہ زندگی چاہنے والا شوہر، پیاری پیاری بچیاں! بے چاری کیا کہتی ہیں تمہیں!“

”ہونہ!“ ماہ پارہ نے بے زاری سے سر کو جھٹکا۔  
”تمہاری ہوتی تو پوچھتی۔ تم تو سب سے اچھی رہی نہ شادی کی اور نہ ہی زمانے بھر کی فکریں مول لیں۔“ مہر النساء کے اندر جیسے ایک کانچ سا کہیں ٹوٹ کر بکھر گیا۔  
”بھلا یہ زندگی کوئی اُس کی اپنی منتخب کردہ ہے۔ شادی اُس نے کی نہیں یا ہوئی نہیں!“ اپنی آٹھ برس چھوٹی بہن سے بمشکل نگاہیں پڑا کر اُس نے تقدیر کے اس کھیل کی ناز نہ

گرد آلود، زردی بھری دو پہر اُس کے قدموں سے لپٹی اندر تک چلی آئی۔ علاقہ اسپتال کے میٹرنٹی وارڈ کے لمبے سے کوریڈور میں مڑتے ہی اُسے ماہ پارہ کے رونے کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ بائیں ہاتھ پر دوسرا دروازہ اُس کی پرائیویٹ کمرے کا تھا جہاں پرسوں سے ماہ پارہ داخل تھی۔ پرسوں رات وہ یہاں آئی تھی اور پورے چوبیس گھنٹے ہلا کر رکھ دینے والی تکلیف جھیلنے کے بعد کل رات اس کے بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ اب شاید ایک دو دن مزید یہاں رکنا تھا۔ ماحول میں وہی گورنمنٹ اسپتالوں کا مخصوص فنانل میں بھیگا ہوا بے کیف سا احساس تھا۔

اسٹیل کے ٹین اور تھرماس کو سنبھالتے ہوئے وہ دروازے کی طرف مڑ گئی۔

”پانچویں بیٹی!“ ماہ پارہ نے جیسے سسکاری بھری۔  
”کتنی دعائیں مانگیں، کتنی منتیں مانیں، کون سی کمی آجاتی اُس کے خزانے میں۔ اتنی بڑی خدائی کا مالک ہے وہ مگر...“ وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر چکی تھی۔  
قریب بیٹھی امتاں نے بڑی بے چارگی سے اندر داخل ہوتی مہر النساء کی طرف دیکھا۔

کل رات سے اب تک وہ اُسے جتنی تسلی دے سکتی تھیں دے چکی تھیں۔

”بری بات ہے پارو! اس طرح ناشکرا پن نہیں کرتے شکر کرو کہ اللہ نے اتنی صحت مند اور پیاری بچی سے نوازا ورنہ وہ بھی ہیں...“ سر ہانے لگے چھوٹے سے سائیڈ بورڈ پر ساتھ لایا ہوا ساز و سامان رکھتے ہوئے اُس نے اپنے بڑے قرینے سے تسلی کے الفاظ ترتیب دیے تھے۔ مگر







بابت سوچا۔

دہی مرغی کا شور بہ ماہ پارہ کے سامنے رکھتے ہوئے اُسے یاد آیا تو وہ بتانے لگی۔

”خاک مبارک باد دیں گی وہ مجھے جلانے کے لیے فون کیا ہے، پوری تیاری کیے بیٹھی ہیں اشرف کی دوسری شادی کی۔“ ہاتھ میں پکڑا نوالہ واپس رکھ کر وہ پھر سے موزا خراب کر کے بیٹھ گئی۔ مہر النساء نے بے بسی سے اُس کی طرف دیکھا۔ اس وقت شاید کوئی بھی بات اُسے خوش نہیں کر سکتی تھی۔ لہذا بھی موقع غنیمت جان کر اُسے ماہ پارہ کے سپرد کر کے خود دوسری طرف والی مریضہ کے پاس جا بیٹھیں۔ مہر النساء کی کچھ اور سمجھ میں نہ آیا تو بچی کے چھو لے کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

کھالی رگت والی صحت مند بچی! اپنے اُن چاہے ہوئے سے بے خبر مریضہ میں تھی۔ ماہ پارہ کی تمام بچیاں خوب صورت تھیں مگر یہ بچی بلاشبہ اُن سب سے زیادہ پیاری تھی۔ مہر النساء چند لمحے نظر چلائے اسے دیکھتی رہی اُسے بچوں سے ویسے بھی بہت پیار تھا۔ ماہ پارہ کی بچیاں ماہ پارہ سے زیادہ اُس سے مانوس تھیں اور اب یہ آئی کی اپنے حصے کی محبت وصول کرنے کے لیے۔ مہر النساء نے بے انتہا بھری محبت سے بچی کے ماتھے پر اپنے لب رکھ دیے۔

☆☆☆

ماہ پارہ ہاسپٹل سے سیدھی میکے آئی۔ اُس کی سسرال دوسرے شہر میں تھی۔

شروع شروع میں اُس کی پہلی دو بیٹیوں کی دفعہ اُس کی ساس رہنے کے لیے آگئی تھیں مگر ماہ پارہ سے اُن کی اس قلیل مدت میں بھی بن نہیں پائی تھی سوانہوں نے یہ رسم بھی چھوڑ دی۔ ماہ پارہ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اُس کی خدمت کے لیے امان اور مہر و آ پا تو تھیں ہی پر اس بار ماہ پارہ پہلے جیسی نہیں تھی۔ شروع کے چند دن تو اماں اور مہر النساء نے اُس کی کم زوری اور چھڑے پن کی وجہ سے اُسے کچھ نہ کہا۔ پھر چند دن محض

”لائیں پہلے مجھے سوپ تو نکال کر دیں اتنی سخت بھوک لگ رہی ہے، ویسے ہی اتنی دیر لگا کر آئی ہیں آپ۔ میں تو امان سے کہہ رہی تھی کہ مجھے باہر سے ہی کچھ کھانے کو لادیں۔“ اُس کی کوتاہی کو جتاتے ہوئے وہ کھانے کے نشن کی طرف متوجہ ہو گئی۔ رات بھر مہر النساء کی یہاں موجودگی اور پھر علی الصبح اُس کے ناشتے کا انتظام کرنا اور اب گھر جا کر اس گرم تکلیف دہ موسم میں کھانا بنانا کر لانا کچھ بھی شاید ذرا سی بھی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اہم ترین تھا صرف اپنا دکھ، اپنا وجود، اپنی تکلیف!

”یا میرے مولیٰ۔ تیرا ہی آسرا ہے۔“

کمرے کے تقسیم کیے گئے دوسرے حصے میں ایک ضعیفہ داخل تھیں ویسے تو تکلیف کے باوجود وہ بے چاری بڑا ضبط کیے ہوئے تھیں پھر بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد یہی ایک جملہ کہے جاتی تھیں۔ ماہ پارہ کو یہ بھی بے حد ناگوار گزر رہا تھا۔

”کل سے میرا روناسن رہی ہیں مگر مجال ہے جو ایک لفظ بھی ہم درد میں کہا ہو۔ ایک تو ویسے ہی یہ ہاسپٹل اتنا وحشت ناک، ہر چیز سلین زدہ، مجھے تو سچ بات ہے اس بھی نہیں آ رہا، ساری کی ساری بیٹیاں میری بیٹیں ہوئی ہیں!“ بات کہاں سے شروع کرتی اور کہاں پر لا کر ختم کرتی، صرف ماہ پارہ کا ہی کمال تھا۔

”کتنا کہا تھا اشرف سے کہ اس دفعہ کسی ڈھنگ کے اسپتال میں نام لکھوادو۔ مگر انھیں تو ساری بچت اسی مد میں ہی سوچھتی ہے!“ ماہ پارہ کو بے حد امان تھا کہ کسی اچھے سے پرائیویٹ ہاسپٹل میں داخل ہوتا کہ رشتے داروں پر اُس کی امارت کا سکہ جم سکے۔ مگر ہر بار اشرف کے آگے اُس کی کچھ نہ چلتی۔

”ساس کا فون آیا تھا مبارک باد کے لیے تمھاری خیریت بھی پوچھ رہی تھیں۔“ اصلی گھی میں پکا کر لایا ہوا



اپنا وہم سمجھ کر ٹالا مگر پھر اس کے بعد کوئی بھی جواز باقی نہ رہ گیا تھا۔

اب ماہ پارہ صاف اس بچی کی ذمے داری اٹھانے سے غریزہ کر رہی تھی۔ سارا دن اس ننھی سی جان کو لتاں اور مہر النساء ہی سنبالتیں مگر دودھ پلانے کے لیے تو ماں کی ضرورت پڑتی ہی تھی۔ ماہ پارہ اس خدمت سے بھی انکاری تھی۔

”مجھے خود اس بار سخت کم زوری ہے، بستر سے اٹھ کر بیٹھتی ہوں تو چکر آنے لگتے ہیں۔ میرے بس سے باہر ہے یہ سب۔“ مجبوراً ڈاکٹر کے مشورے سے ڈبے کا دودھ شروع کروا دیا گیا۔ اب بچی رات کو بھی مہر النساء کے پاس سوتی تھی بلکہ سوتی بھی کیا ساری رات خود بھی جاگتی اور مہر النساء کو بھی جگاتی۔ وہ تو مسجد سے اذان کی صدا بلند ہوتے ہی سو جاتی مگر مہر النساء کے لیے نئے دن کا آغاز ہو چکا ہوتا۔ لتاں کو ماہ پارہ کی بے حسی پر غصہ آتا تو بڑبڑانے لگتیں، مگر مہر النساء انھیں فوراً ہی منع کرنے لگتی۔

”مت کہیں لتاں! ماہ پارہ مجھے گی تو اُس کا دل کتنا خراب ہوگا۔ ویسے ہی وہ بے چاری کتنی پریشان ہے اور بچی تو ویسے بھی مجھے اپنے دل و جان سے پیوستہ ہے۔“

بچی بھی تو واقعی اُسے یہ سوچ کر بھی گھبراہٹ ہونے لگتی تھی جب ماہ پارہ اپنے گھر چلی جائے گی تو آخر وہ کہاں اپنا دل لگا سکے گی۔

ماہ پارہ بچی میں رتی برابر بھی دل چسپی نہیں لے رہی تھی۔ بار بار کہنے کے باوجود بچی کا نام رکھنے میں بھی اُس نے کسی ہلکے سے اشتیاق کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

”رکھ دو جو بھی تمہارا دل چاہے۔“ اُس نے بڑی بے نیازی سے مہر النساء کو کہا۔

اس نے بہت سوچ سوچ کر آخر کار ”جیبہ“ نام تجویز کیا اور پھر بہت اہتمام کے ساتھ محلے میں مشائی بھی تقسیم

نازنین

کی ماہ پارہ نے اس بار کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ آج کل اُس کو صرف اشرف کی فکر ستا رہی تھی۔

”دیکھ لیں اماں! مجھے یہاں چھوڑ کر بالکل بے فکر ہو گئے ہیں کئی کئی دن یہاں آ کر جھانکتے تک نہیں، اس بار تو لگتا ہے یہ بھی اکتا گئے ہیں۔“ وہ روپائی ہو کر اماں کے کمرے میں بیٹھی دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھی۔ خود لتاں کو بھی پہلی بار وہ صحیح لگ رہی تھی اس بار واقعی اشرف میں تبدیلی آ گئی تھی بیوی بچیوں سے بالکل غافل! آتا بھی تو کھڑے کھڑے دو چار باتیں بیوی سے کرتا بڑی بچیوں سے ”ہائے ہیلو“ ہوتی اور بس۔

مہر النساء نے اُسے کبھی جیبہ کی طرف متوجہ ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ اُس روز اشرف بالکل ہی غیر متوقع طور پر ماہ پارہ سے ملنے دن کے وقت چلا آیا۔ لتاں اور ماہ پارہ اُس کا ذکر خیر چھیڑے بیٹھی تھیں، اُسے کمرے کے دروازے پر کھڑا دیکھ کر جینپ سی گئیں معلوم نہیں اُس نے اپنی شان میں کہے گئے اُن کے جملے سنے تھے یا نہیں! لتاں اور ماہ پارہ دونوں ہی نے اپنے اپنے طور پر اشرف کی شکل دیکھ کر اندازہ لگانا چاہا مگر اس کا خوشی سے تھمتاتا ہوا چہرہ دیکھ کر دونوں کے خدشات کی نفی ہو گئی۔

”میرا تبادلہ ہو گیا ہے واپس اپنے شہر، اگلے پیر کو جا کر وہاں کا چارج سنبالنا ہے۔“ مارے خوشی کے اس کی آواز کپکپائے جا رہی تھی۔

”کتنی کوششیں، سفارشاتیں لگا دیں اتنے سال میں

یہ سب میری لتاں کی دعاؤں کا صلہ ہے، وہ بے چاری بہت تڑپتی رہیں میرے بغیر، اللہ نے آخر مجھے بھی اُن کی خدمت کا موقع دے ہی دیا۔ اُس کا شکر ہے، بس اب تم بھی گھر چل کر سامان باندھنا شروع

کرو بچیوں کو بے شک ابھی یہیں چھوڑے رکھو۔ وہاں کام میں حرج ہوگا۔“ اتنی بڑی خوش خبری اور آگے کی ہدایتیں سن کر ماہ پارہ تو واپس باہر آ گیا اور ماہ پارہ یوں



گئیں۔ مہر النساء نے خاص طور پر حبیبہ کو تیار کیا تھا گلابی خوب صورت فراک میں وہ اور بھی گلابی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ جب سے پیدا ہوئی تھی مہر النساء کی گود میں ہی پل رہی تھی۔ فطری طور پر اُس کی جدائی کا احساس سب سے زیادہ دل کو دکھاتا تھا۔ وہ چپکے چپکے بار بار اپنی نم آنکھیں رگڑے جا رہی تھی۔ تب ہی ایک بڑی عجیب سی بات ہوئی۔

”اماں!“ ماہ پارہ ماں کے پاس برآمدے میں بچے تخت پر بیٹھی۔ حبیبہ اُن کے پاس ہی چھوٹے سے گدے پر سو رہی تھی، ماہ پارہ نے ایک سرسری سی نگاہ اُس پر ڈالی پھر اماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”حبیبہ کو میں اپنے ساتھ لے کر نہیں جاؤں گی! آپ نہیں رکھ لیں، ویسے بھی یہ مجھ سے زیادہ مہر و آ پا سے مانوس ہے۔“ ایک دم تو اماں سمجھ ہی نہ سکیں کہ وہ کہہ رہی ہے اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ تھک گئیں۔

”دماغ تو ٹھیک ہے تمھارا! لاکھ مانوس ہو مہر و سے اولاد تو تمھاری ہے کس خوشی میں اتنی بڑی ذمے داری اٹھائے۔ نا بابانا! میں نہیں رکھنے کسی کے بچے!“ مہر النساء سامنے کچن میں چائے بنا رہی تھی، آواز سن کر کان تک پہنچیں تو چائے چھوڑ چھاڑ کر کچن کے دروازے میں آکھڑی ہوئی اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اماں کو چاہے ماہ پارہ خود غرض لگ رہی ہو، اُسے تو بہت دن بعد اپنی پارہ پر بے ساختہ پیارا رہا تھا۔

”آپ پر کون ڈال رہا ہے ذمے داری! مہر و آپ سنبھال لیں گی حبیبہ کو۔ ویسے بھی انھیں سارا دن کرتا ہی کیا ہوتا ہے، بہن کو تھوڑا سا آرام دے دیں گی تو کیا بگڑ جائے گا۔“

”مہر و کون سی نہیں بیٹھی رہے گی، شادی بیاہ ہو جائے گا اُس کا تو کیا حبیبہ کو جہیز میں لے کر جائے گی۔“ اماں جل بھن کر کہہ رہی تھیں۔

ہی حق وق سی بیٹھی رہ گئی بالکل ایسے جیسے کوئی بجلی سیدھی اُسی پر آگری ہو۔

”میں تو ہوں ہی سدا کی بدنصیب! یہ کس اور رہ گئی تھی۔ اچھی بھلی یہاں سکون سے تو بیٹھی تھی۔ اب وہاں اُس فتنہ پرور سسرال کے بیچ جا کر رہنا پڑے گا۔“ زندگی سے متعلق شکوؤں میں وہ خود کفیل تھی۔

ایک کے بعد ایک! ماہ پارہ کی مسکے سے ”رخصتی“ کی خبر ملنے والوں میں پھیلی ہی تھی کہ خدا حافظ کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا یکسوں، پونلیوں میں تالے اور گرہیں لگاتے ہوئے جانے کتنے ہی شکوے، بدگمانیاں بھی ساتھ بند رہی تھیں۔ اماں اور مہر النساء کی تسلیاں بھی اب ہلکی پڑتی جا رہی تھیں۔

مہر النساء کا خود دل گھبرایا تھا۔ اُس کی سوئی خاموش زندگی میں ساری ہلچل مہر پارہ کی بچیوں کے دم سے ہی تھی۔ بھائیوں کے اپنے بیوی بچے سمیٹ کر دوسرے شہروں میں جا بسنے کے بعد گھر میں پھیلی تنہائی اس کے لیے بڑی اعصاب شکن ہوتی تھی۔ تب ہی اس نے ان معصوم سہاروں کے ساتھ زندگی کو دوسرے رنگ سے دیکھنا شروع کر دیا تھا جس روز رات کی گاڑی سے اُن لوگوں کو روانہ ہونا تھا مہر النساء بڑی خاموش تھی۔ یہاں تک کہ آج اُس نے ماہ پارہ کے رونے دھونے پر اُسے ایک ہلکی سی تسلی دینی بھی ضروری نہیں سمجھتی تھی۔ ویسے بھی اُسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ نہ تو ماہ پارہ کی ساس کوئی سخت دل، تیز طرار عورت تھی اور نہ سسرال والے بے چارے ماہ پارہ کے لیے کوئی مسئلہ بننے کی اہلیت رکھتے تھے۔ یہ صرف اُس کے اپنے مفروضے تھے۔

اُسے تو صرف اپنی تنہائی کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ خالی خالی نگاہوں سے وہ بچیوں کو دوڑتا بھاگتا دیکھ کر ان کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔ سبہ پہر کی چائے بھی پی لی گئی تو ماہ پارہ اور بچیاں تیار ہونے چلی



## قابلیت

ایک صاحب کو اچھی اردو بولنے کا شوق تھا۔ لیکن اہلیت نہیں تھی۔ انھوں نے اپنے ایک دوست کو شکریہ کا خط لکھا۔  
”تمہاری مہربانیوں اور ریشہ دوانیوں کے باعث میرے بچے کو ملازمت مل گئی ہے۔“  
✽ مرسلہ: ثوبہ حید، سکھر ✽

دے گی۔ گود میں آئی حبیبہ کو پیار کرتے ہوئے کہتے ہی آنسو مہر النساء کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ ماہ پارہ اطمینان کی سانس لے کر دوسرے بچوں کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ آج اُس کے بھی اپنی مہر و آپا سے سارے چھوٹے بڑے گلے دور ہو گئے تھے۔ ایک بڑی ذمے داری جو قدرت کی طرف سے اُسے ملی تھی بڑی آسانی سے دوسرے کے کندھے پر منتقل ہو گئی تھی۔

مہر النساء کو اب جیسے کسی کی بھی پروا نہ رہی۔ وہ تھی اور حبیبہ! اس کا سارا دن حبیبہ کی ناز برداری میں گزر جاتا۔ وہ مستقل توجہ سے دن بہ دن اور بھی پیاری اور شوخ ہوتی جا رہی تھی۔ اور مہر النساء کو امان دیکھ دیکھ کر ہولتیں۔

”کیا دیوانی ہوئی ہے ذرا سی بچی کے پیچھے، دن رات کا چھین حرام کر رکھا ہے خود پر۔ ارے اس طرح تو کوئی اپنی اولاد کو بھی نہیں پالتا، کسی وقت ذرا آئینے میں اپنی شکل تو دیکھو۔“ مہر النساء مسکرا کر ایک کان سے سنٹی دوسرے سے اڑا دیتی۔ اسے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ دو گھڑی رُک کر آئینے میں اپنی زرد ہوتی رنگت اور آنکھوں کے گرد گہرے ہوتے حلقوں پر ایک نگاہ ہی ڈال لے۔

ان ہی بھاگتے دوڑتے دنوں میں ایک روز اچانک ایک کرشمہ ہو گیا۔ ان کے گھر سے کئی گھر آگے نیم والی خانہ کے گھر میلا د تھا۔ پرانے محلے میں اتنی خالائیں اور چوپیاں تھیں کہ پہچان کے لیے سب ہی کی کوئی نہ کوئی عرفیت ضروری تھی۔ بڑا سا گھنا نیم کا درخت صبح الدین

”ہو چکی مہر و آپا کی شادی، جب اب تک نہیں ہوئی تو اب کیا خاک ہوگی۔ اور میری مائیں تو اب اُن کا تماشا بنائیے گا بھی مت! گزر گئی زندگی اللہ اللہ کریں اور اب تو اُن کے پاس دل بہلانے کے لیے حبیبہ ہے ہی۔“ ماہ پارہ کے لہجے کی کاٹ اور چہرے کی طنزیہ مسکراہٹ ایک بار تو اماں گڑ بڑا ہی گئیں اور ایک دُکھی سی نگاہ بچن کے دروازے پر کھڑی مہر النساء پر ڈالی۔

تینوں بہن بھائیوں کا اُس کے ساتھ ایسا ہی بے توجہی بھرارہا تھا۔ اُس کی زندگی کی موجود طرز سے وہ سب ہی مطمئن تھے بلکہ صاف لفظوں میں اُسے اپنے سے کہیں زیادہ خوش قسمت گردانتے تھے۔

”اچھا کھاتی ہیں، اچھا پہنتی ہیں اوپر سے کوئی ذمے داری بھی سر پر نہیں ہے۔“ یہ سب کی متفقہ رائے تھی۔

ماہ پارہ اس وقت بھی اسی طرح کی باتیں کیے جا رہی تھی اور پُچھ بولنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اب جب کہ وہ اتنے دنوں کے لیے اُن سب سے جدا ہو رہی تھی امان کو وہ اتنی بُری لگ رہی تھی، اتنی بُری کہ ان کا دل چاہا ایک زو رکا تھپڑ لگا کر اُس کی بلا تکان چلتی زبان روک دیں۔ تب ہی مہر النساء جیسے تڑپ کر آگے بڑھی۔

”مان تو میں نے کب منع کیا ہے! خوشی سے چھوڑ جاؤ حبیبہ کو میرا تو محمود دل بیٹھا چار ہاتھ اس کی جدائی کے خیال سے۔“ اپنی تہذیب کی ایک ننھی سی کرن کی جھلماہٹ کا احساس ہوتے ہی مہر النساء نے بہن کی کبھی ہوئی ساری تکلیف دہ باتوں کو ہیل بھر میں اُن سے مٹا کر دیا تھا۔

”لیجیے آپ بے کار میں جذباتی ہوئی جا رہی ہیں۔“ ماہ پارہ بڑے تفاخر سے لٹاں کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

”یہ لو مہر و آپا! آج سے یہ بھی تمہاری ہوئی اور سارے حق بھی تمہارے، میں تو پلٹ کر پوچھوں گی بھی نہیں۔“ مہر النساء کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ماہ پارہ ایسی فیاضی دکھائے گی۔ اُسے مالا مال کر



کی والدہ کی پہچان بن گیا۔ گو بننے کو تو وہ خود بھی اپنی والدہ کی پہچان بن سکتے تھے مگر عجیب بات ہے کہ کوئی بھی انھیں صبیح الدین کی والدہ نہیں ”نیم والی خالہ“ ہی کہتا تھا۔ شاید وہ اتنے بھی قابل ذکر نہیں تھے جتنا کہ نیم کا درخت۔ سانولے سے ڈبلے پتلے صبیح الدین صبح کے نکلے شام ڈھلے گھر کو ملے۔ سر جھکائے اپنی سوچ میں گم! کوئی سامنے آ گیا تو سلام کر لیا ورنہ نہیں، کوئی خوشی غمی ہوئی تو جا کر چپ چاپ سب سے آخری قطار میں بیٹھ گئے۔

محلے والے بہت آسانی سے انھیں اور اُن کے گھر کو بھول جاتے اگر ان کی والدہ اتنی گھومنے پھرنے والی اور زمانہ شناس خاتون نہ ہوتیں۔ اپنا محلہ چھوڑ اگلے سات محلوں تک اُن کا اثر و رسوخ تھا سارا دن آنے جانے والیوں کا تانتا بندھا رہتا اس طرح اُن کے ساتھ ساتھ اُن کا نیم کا درخت بھی مرکز توجہ بنتا چلا گیا۔

عام طور پر یہ لقاں ہی کی ذمہ داری تھی کہ محلے پڑوسن کی تقریبات کو نمٹائیں مگر اُس روز نہ جانے کہاں لکے بھولے بھٹکے بڑے بھیا خبر گیری کے لیے آنکے، وہ بھی محض ایک رات کے لیے بیٹے کے بخشے ہوئے اس قیمتی وقت کو اوقاتِ تبرک کی طرح سنبھال رہی تھیں۔ ایک گھڑی بھی ادھر ادھر خرچ نہیں کر رہی تھیں۔

انھیں بڑے بھیا کے ساتھ چھوڑ کر مہر النساء کو حبیبہ کو لے کر نیم والی خالہ کے ہاں آنا پڑا، حبیبہ اب باتیں کرتی ہوئی دوڑتی بھاگتی بھی تھی اس سال اُس کا اسکول میں داخلہ بھی ہونے والا تھا۔ میلا دکی مقدس محفل میں وہ دوسرے بچوں کی طرح بات بے بات شور مچائے رکھنے کی بجائے اچھے بچوں کی طرح بہت تمیز قاعدے سے بیٹھی رہی۔ محلے کی کئی عورتوں نے بطور خاص مہر النساء کی تربیت کو سراہا اور مہر النساء ایک ماں کے سے فخر کے ساتھ مسکراتی رہی۔

میلا د ختم ہوا تو کھانے کا سلسلہ شروع ہو گیا سارا انتظام محلے والوں کے سپرد تھا۔ کھانا پکوانا، کھانا، اٹھانا۔ صبح الدین کی والدہ سب ہی کے لیے اتنی اپنی اپنی سی تھیں کہ کسی کو بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ سب صبح الدین کی ذمہ داری ہے۔ وہ خود ہی کھانے کے وقت تھوڑا بہت ہاتھ بٹانے کے لیے اُٹھ کر آکھڑے ہوئے تھے کھانے کا انتظام الگ ایک شامیانے میں تھا۔ میزوں کے گرد وہی روایتی سی بھڑکے گھبراہٹ ہوئی مہر النساء حبیبہ ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے ایک طرف کھڑی تھی۔ صبح الدین دوبار بریانی کی خوشبو اڑاتی دھنیں لیے اُس کے پاس سے گزرے۔

لاکھ نگاہ نیچی کیے وہ گلی میں سے گزرتے رہے محض تھے تو آخر مرد ہی! مہر النساء کو بہت اچھی طرح پہچانتے بھی تھے اور کئی بار اُسے چوری چوری دیکھا بھی تھا۔ انھیں وہ ہمیشہ ہی اچھی لگتی تھی۔ اُس وقت بھی جب وہ ایک نو عمر لڑکی تھی اور اب بھی جب وہ ایک پختہ عمر عورت کے روپ میں ڈھل چکی تھی۔ اُس کے سر اُپے میں وہی جاذبیت تھی جو انھیں چوری چوری اُس کی طرف دیکھنے پر مجبور کرتی تھی بلکہ اب اور بھی زیادہ۔ گئی تھی۔ انھیں تو اس وقت بھی ہلکے جامنی رنگ کے سادہ سے سوٹ میں حبیبہ کی انگلی تھامے ایک طرف کھڑی مہر النساء دنیا کی سب سے خوب صورت سب سے منفرد عورت دکھائی دے رہی تھی۔ بریانی کی تیسری ڈش وہ خاص اس کے لیے ہی لے کر آئے۔

”یہ لیجیے آپ اس میں سے نکال لیں!“ گو اُن کے ہاتھ جلے جا رہے تھے مگر اُس سے بھی تیز ہوتی ہوئی ایک جوت اُن کی آنکھوں میں جل رہی تھی۔

”میں لے لوں گی، آپ تکلیف...“ مہر النساء بڑی طرح بوکھلائی ہوئی تھی۔

صبح الدین مسکرا دیے، پہلی بار کوئی عورت اُن کے



سامنے گھبرا رہی تھی۔ ایک دبا دبا سا احساس برتری ان کے اندر کہیں سر اٹھانے لگا۔

”ضرور لے لیں گی اتنی دیر سے تو میں آپ کو یہیں کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ چلیں نکالیں فوراً اپنی پلیٹ میں میرا ہاتھ جلا جا رہا ہے بھئی۔“ وہ جیسے ایک دم ہی بہت پر اعتماد ہو گئے۔ مہر النساء مزید شرمندہ ہو گئیں اُس کی زندگی میں کسی کی توجہ کا ملنا نہ ہونے کے برابر رہا تھا۔ اور اب یہ اچانک ہزار دولٹ کی سی روشن جگہ لگاتی ہوئی آنکھیں اُس کے چہرے پر بجائے، اچھا خاصا معقول مرد بالکل غائب ہونے والے انداز میں عین اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ اُس کا دل اتنی تیزی سے دھڑکا کہ اُسے لگا اُس کی آواز یہ تھا سامنے کھڑے صبح الدین تک بھی با آسانی پہنچ رہی ہوگی۔ اس لیے کانپتے ہاتھوں سے بریانی پلیٹ میں نکال لینے میں ہی اُس نے عافیت سمجھی۔ صبح الدین نے اس مختصر سے وقفے کو بھی ضائع نہ جانے دیا۔

”یہ بھانجی ہے ناں آپ کی!“ اس وقت انھیں حبیب بھی سارے بچوں سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔ مہر النساء کو اُن کی معصومیت پر حیرت تو ہوئی مگر انتہا کرنے کے بجائے اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ ”بہت پیاری ہے بالکل آپ کی طرح۔“ آخری الفاظ سرگوشی کے سے انداز میں کہتے ہوئے وہ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے دوسری طرف مُو گئے۔ مہر النساء بالکل سُن سی ہوئی وہیں کھڑی رہ گئی۔ کتنے ہی لمحے گزرے بریانی کی بھری ہوئی پلیٹ یوں ہی اُس کے ہاتھ میں تھمی رہ گئی۔ حبیبہ کو گھر سے کھانا کھلا کر لائی تھی۔ وہ بے اُس کے ہنس کی بات بھی نہیں تھی اتنی چٹ پٹی چیزوں کو کھانا۔ چندال خانی ہوتا محسوس ہونے لگا تو وہ بھی شرمندہ سی چپکے سے ایک میز پر پلیٹ سرکا کر خود باہر نکل آئی۔ نیم کے پیڑ کے نیچے کھانے کی دیکیں کھڑک رہی تھیں۔

مہر النساء نے دیکھا کہ صبح الدین اُن کی طرف پشت

کیے ہوئے کسی سے کچھ بات کر رہے تھے۔ موقع غنیمت جان کر وہ حبیبہ کا ہاتھ تھامے تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی گھر کی طرف بڑھ گئی۔ پھر بھی پشت پر دوںگا ہوں کی پیش اُسے اپنے گھر میں داخل ہونے تک محسوس ہوتی رہی۔ گھر میں لٹاں منتظر تھیں۔ جن بڑے بھیا کے آنے کی خوشی میں وہ نیم والی خالا کے گھر میلا دمیں نہیں گئی تھیں وہ لٹاں کے بے حد اہتمام سے پکائے ہوئے لذیذ کھانے کو تناول فرما کر کب کی گہری نیند سوچکے تھے۔

”نہ جانے کتنے دن بعد اتنے آرام سے سونا نصیب ہوا ہے میرے بچے کو۔“ لٹاں کی محبت اولاد کو ہمیشہ ہی رعایت دیے رکھتی تھی۔ مہر النساء کو اس وقت بڑے بھیا کی کوئی بات یوں بھی نہ اچھی لگ سکتی تھی تاہم بڑے بھیا ہی کیا اس وقت تو زندگی سے جُڑے سارے ہی شکوے کہیں دور جا سوئے تھے۔

مختصر الفاظ میں لٹاں کو میلا دی تفصیل سنا کر وہ حبیبہ کو کندھے سے لگائے اپنے کمرے میں چلی آئی، حبیبہ سو چکی تھی۔ عام دنوں میں وہ خود بھی جلدی سو جایا کرتی تھی مگر آج نیند وہیں نیم والی خالہ کی دہلیز پر بیٹھی مسکراتی رہی۔

”وہ جگہ لگاتی آنکھیں اور شہد چکا تالچہ کیا سچ اُسی کے لیے تھا!“ مہر النساء نے کتنی بار حیران ہو کر سوچا کتنا وقت گزر چکا تھا کہ وہ سارے خواب کھو چکی تھی۔ بھولے سے بھی کوئی خوش رنگ خیال قریب آ کر نہیں پھٹکتا تھا لیکن صبح الدین نے جیسے کوئی جادوئی اسم پڑھ دیا تھا اس کا جھوٹا سا بے رونق کمر جیسے رنگ و روشنی سے بھرا جا رہا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ اپنے آپ مسکراتی رہی، صبح الدین کے الفاظ بار بار آس پاس گونجتے ہوئے محسوس ہوتے رہے۔

”جس شخص کی زبان سے ادا ہوئے چند جملے زندہ کرنے کی تاثیر رکھتے ہوں اُس کے ساتھ گزرنے والی زندگی کا کیا رنگ ہوگا!“ خود سے شرما کر اُس نے یہ سوال



بھی اپنے آپ سے ہی کیا۔

رات آہستہ آہستہ ڈھل رہی تھی۔ مہر النساء کو نیند نہ آ کر دی تو وہ اٹھ کر باہر چلی آئی، معلوم نہیں چاند کی کون سی تاریخ تھی مگر اتنی اجلی چاندنی گھر کے آنگن میں پہلی بار اُترتی تھی۔ بڑی دیر تک گول ستون سے ٹیک لگائے اس دودھیا غبار میں بیٹھی بہت کچھ سوچے گئی۔

صبح جب اماں بچہ کے لیے اٹھیں تو وہ اُن سے پہلے ہی اٹھی ہوئی تھی۔ اماں کو لگا وہ بڑے بھیا کے لیے ناشتے کا اہتمام کرنے کے لیے اُن سے پہلے اٹھ گئی ہے، بے حد خوش ہو کر انھوں نے ناشتے کے وقت بڑے بھیا کو بھی اُس کی کارگزاری سنائی۔

”سارا کچھ مہر النساء نے ہی بنایا ہے۔“

حلوہ پوری اور آلو کی ترکاری! بڑے بھیا نے لبالب بھری پلیٹ سے ذرا سی توجہ ہٹا کر ایک اچنتی ہوئی نگاہ سامنے بیٹھی مہر النساء پر ڈالی جو حبیبہ کو ناشتا کرانے میں مصروف تھی۔

”اچھا ہے، بہت اچھا ہے!“ خانہ پوری کے سے انداز میں انھوں نے رسم بھائی اور پھر کچھ خیال آیا تو اماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

”یہ حبیبہ کیا مستقل یہاں رہے گی! اب تو پارو کے ہاں بیٹا بھی ہو گیا ہے اپنی بچی لے کر کیوں نہیں جاتی ہے!“ مہر النساء کا حلوہ پوری کا نوالہ بنانا ہوا ہاتھ یک بارگی کانپا۔ اس نے کل رات سے خود بخود فرض کر لیا تھا کہ زندگی میں دل دکھانے والی ساری باتیں اب ختم ہوئیں مگر اب جو بالکل ہی غیر متوقع سا ذکر بڑے بھیا نے چھیڑا تھا تو سیدھا دل پر لگا۔

”حبیبہ تو اب ہمیشہ میرے پاس رہے گی بڑے بھیا! اب اس کا پارو کے پاس واپس جانے کا کیا سوال!“ ”رہ لی ہمیشہ!“ بڑے طنزیہ سے انداز میں انھوں نے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔

”کون رہتا ہے پاس ہمیشہ اور یہ تو پھر لڑکی ہے۔ میری

مانیں اماں تو اشرف کو کہیں کہ بچی کو اب اپنے پاس رکھے کل کو بڑی ہوگی تو ساری ذمے داری آپ کے ہی سر ڈالے رکھیں گے میان بیوی!“ بڑے بھیا بہت دور اندیش تھے۔ خود بھی مستقبل پر نظر رکھتے اور دوسروں کو بھی یہی مشورہ دیتے۔

”حبیبہ میری بیٹی ہے کسی کو بھی اُس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، پارو اور اشرف کو بھی نہیں۔“ مہر النساء سے ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ غم کو دھتے سے ہلکی سی کپکپاہٹ خور بخود آواز میں اُتر آئی، اپنے احتجاج کو اور مؤثر کرنے کے لیے وہ حبیبہ کا ہاتھ اور ناشتے کی پلیٹ تھامے اندر سے کمرے میں چلی گئی۔

بڑے بھیا سر جھٹک کر پھر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئے انھیں ابھی سارے دس بجے والی کوچ بھی پکڑنا تھی اور پھر اُن کے اپنے مسئلے بہت تھے جو ان کے خیالات کو کسی ایک جگہ ٹکے نہیں دیتے تھے۔ گھر میں ہوتے ہوئے اخراجات بچوں کی تعلیم اور بڑے شہر میں رہنے کے مسائل، ناشتا ختم کر کے بھی وہ یہی سب کچھ اماں کو سناتے رہے۔

”آپ لوگ تو یہاں بہت آرام سکون سے زندگی گزار کر رہی ہیں۔ ابا کی پینشن، دکان کا کرایہ پھر ہم دونوں بھائی بھی شکر ہے غافل نہیں ہیں۔“ دو چار مہینے بعد وہ جو قلیل سی رقم امی کے ہاتھ پر رکھتے تھے۔ اُسے رکھنے سے پہلے بھی تمہید کے طور پر انھوں نے اتنا کچھ سُنا ڈالا۔ اماں ڈر کے مارے کسی بھی بات کی کبھی تردید نہیں کرتی تھیں کہ کہیں بڑے بھیا یا چھوٹے بھیا ناراض ہو گئے تو وہ اُن کے دیدار سے بھی محروم نہ ہو جائیں۔ بڑے بھیا رخصت ہو گئے تو وہ مہر النساء کو بھی دیر تک سمجھاتی رہیں۔

”میرا نہیں مناتے بھائی کی بات کا، وہ کہہ ہی تو رہا تھا۔ بس سُن لیتیں، کون سا حبیبہ کو لیے جا رہا ہے کوئی تم سے اُنھیں مہر کی دل شکنی بھی منظور نہیں تھی۔“



مہربان نظر، بس! محبت کے آگے عورت کی قوت مزاحمت ہمیشہ ریت کی دیوار ثابت ہوئی۔

زندگی مزید مہربان ہوگئی جب صبیح الدین کی والدہ رشتہ لیے چلی آئیں۔ پہلے پہل تو اماں نیم والی خالہ کی آمد کو یوں ہی ایک ”رکی ملاقات“ سمجھیں پر جب اُن کا مندا عا سنا تو مارے حیرت کے اُن کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”اتنے عرصے سے کنوارہ پھر رہا تھا صبیح الدین! مجھے کیا پتا تھا کہ اُس کی قسمت یہیں محلے میں ہی لکھی ہے۔ یہی رشتہ دس بارہ سال پہلے ہی ہو جاتا مگر بس جو وقت لکھا تھا!“ نیم والی خالہ کے لہجے میں نہ اشتیاق تھا اور نہ خوشی۔ چوں کہ صبیح الدین کا اصرار مہر النساء کے لیے ہی تھا سو انھیں یہاں آنا پڑا۔

لناتوں پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ کبھی وہ صبیح الدین کی لناتوں کو دیکھتیں اور کبھی پکچن کے دروازے سے نظر آتی مہر النساء کو۔ ایسی بے بہا ملنے والی خوشی کے صدقے میں انھوں نے نیم والی خالہ کی بددلی کا بھی نوٹس نہ لیا۔ مہر النساء چائے لے کر آ گئی۔

شرم و حیا کے تاثر نے اُس کے چہرے پر بڑی اچھوتی سی پاکیزگی پھیلا رکھی تھی۔ مگر صبیح الدین کی اماں نے بس ایک اچھتی نگاہ اس پر ڈالی۔ اتنا وقت ہو گیا تھا انھیں مہر النساء کو دیکھتے ہوئے ایسی کون سی نئی بات تھی اُس میں؟ انھیں اپنے بیٹے کی بے وقوفی کا ملال تھا۔

کتنے دن تو انھوں نے اُس کو سمجھانے کے چکر میں نکال دیے تھے۔ مگر وہ اپنی بات پر ڈٹا رہا۔

وہ جتنی دیر بیٹھیں یونہی پڑمردہ سی رہیں کیا ہاتھ آیا تھا اُن کے! معمولی شکل والی اچھی خاصی عمر کی بہو۔ انھیں اچھی طرح پتا تھا کہ وہ صبیح الدین کی ہم عمر ہے بس ذرا شکل سے نہیں لگتی اوپر سے جمیز کا بھی کچھ اتا پتا نہیں۔ اکٹائی اکٹائی نگاہوں سے وہ پرانے بدرنگ فرنیچر سے بھرے

اس گھر کو دیکھتے تھیں۔

مہر النساء چپ چاپ ہنستی رہی اور سامنے برآمدے میں کھیلتی جیبہ کو خاموش نگاہوں سے دیکھتی رہی اسے بڑے بھیتا پر ابھی بھی دبا دبا سا غصہ تھا۔ ”بڑے آئے مشورہ دینے والے۔ بے چاری پارونے تو ایک بار دے کر پلٹ کر پوچھا تک نہیں بلکہ دو سال پہلے جب اُس کے بیٹا ہوا تھا تب سے اُس کا یہاں آنا بھی برائے نام ہی رہ گیا تھا۔“

”خالہ! یہ دیکھیں۔“ جیبہ کی معصوم آواز اُسے خیالوں سے واپس کھینچ لائی۔ وہ اپنی گڑیا لیے کھڑی تھی معلوم نہیں اسے کیا مسئلہ درپیش تھا۔ مہر النساء نے بے اختیار اُسے کھینچ کر خود سے لگا لیا۔

”جیبہ کے بغیر بھلا وہ کیسے زندہ رہ سکتی ہے!“ اُس نے خود سے اعتراف کیا۔ اور اب تو ویسے بھی وہ خوش رہنا چاہتی تھی اور خوش تھی بھی۔

دن بڑی نرم دوی سے آگے بڑھتے رہے، اب مہر النساء چپکے سے کئی بلا آئینہ بھی دیکھ لیتی اور بہانے سے دروازہ کھول کر ذرا گردن موڑ کر نیم والے گھر پر بھی نگاہ ڈال لیتی۔

صبیح الدین کئی بار نظر آئے۔ معلوم نہیں انھوں نے کبھی اُسے دیکھا یا نہیں! وہ اندازہ نہ کر پائی، میلا دھالے دن ان کے انداز، اُن کی توجہ واقعی معنی خیز تھی یا محض اُس کا وہم! وہ جب بھی اپنے آپ سے پوچھتی دل بڑی سختی سے تردید کر دیتا تب ہی اُس لے جانا۔ وہ رشتہ جس کا کوئی بھی نام نہیں تھا جس کی تعریف الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی جو محض کشف کی مانند دل پر کھلتا ہے دنیا کا سب سے طاقتور جذبہ ہے۔ ہر غرض، ہر توقع سے بالاتر، بلکہ دل کا تعلق جیسے بظاہر بے نیازی کا خول چڑھائے انسان خود سے بھی چھپائے چھپائے پھرتا ہے۔ مہر النساء بھی ایسی محبت ہوگئی!

چند اپنائیت کا یقین دلاتے الفاظ اور خود پر پڑی وہ

نثار نہیں



وہ جلد ”جواب“ کا تقاضا کر کے گئی تھیں۔ لٹاں نے انھیں پورا اطمینان بھی دلادیا تھا مگر بیٹوں سے صلاح و مشورہ کرنا بھی ضروری تھا۔ رات ہی کو فون کر کے سب کو خوش خبری سنادی گئی۔ اپنی جگہ سب حیرت زدہ تھے۔ صبح الذین سب ہی کے دیکھے بھالے تھے اُن کی جگہ کوئی راہ چلتا بھی ہوتا تو شاید تامل نہ کیا جاتا۔ مہر النساء کی طرف سے سب کو ہی اتنی مایوسی تھی کہ سب صبر کر چکے تھے۔ دونوں بھائیوں نے تو فوراً رشتہ بکا کر دیے کی تاکید بھی کی فی الوقت آنے سے دونوں نے ہی معذرت کی۔ اپنے اپنے مسائل میں جو اُلجھے ہوئے تھے۔ ماہ پارہ البتہ اسی اتوار کو آگئی بہن تھی آخر! اشرف، چاروں بیٹیاں اور سب سے چھوٹا بیٹا! وہ صرف دو دن کے لیے آئے تھے اور اُنسی میں رشتے کی منظوری کی رسمی تقریب بھی کرنی تھی۔

”میرا خیال ہے اُن لوگوں سے کھل کر بات کریں کہ کوئی لالچ نہ رہیں ہم ت، کہیں اس گھر پر ہی نظر نہ ہوا“ جو بے تکل خیالات اُس کے شوہر نے سارے راستے اُس کے ذہن میں انڈیلے تھے وہی وہ لٹاں کے سامنے لے بیٹھی۔

”وہ لوگ ایسے نہیں ہیں اور تم بھی ذرا سوچ سمجھ کر بات کرنا صبح الدین کی والدہ سے، ویسے بھی وہ بڑی جلدی بُرا مٹا جاتی ہیں سارے محلے کو پتا ہے اُن کی طبیعت کا۔“ لٹاں کو یہ بدشگونی کی باتیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ اس لیے وہ اُلٹا ماہ پارہ کو سمجھانے بیٹھ گئیں تب ہی حبیبہ شکایت لیے آکھڑی ہوئی۔

”سب بچے مجھے مار رہے ہیں میرے سارے کھلونے بھی لے لیے اُنھوں نے اور میری گڑیا بھی توڑ دی!“ بچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے اُس نے اپنا ڈکھڑا سنا دیا۔

”چلو کوئی بات نہیں! سب بچے مل کر کھیلتے ہیں۔ آپ لوگوں نے حبیبہ کو بالکل بگاڑ کر رکھ دیا ہے لٹاں! اسے دوسروں کے ساتھ مل کر رہنے کی عادت ہی نہیں رہی بہت

خود غرض ہوتی جا رہی ہے۔“ ماہ پارہ نے بے زاری سے اُسے سامنے سے ہٹایا۔ ویسے بھی اس وقت بچوں کی لڑائی جھگڑوں سے زیادہ دوسری باتیں توجہ طلب تھیں۔

مہر النساء اندر آ رہی تھی۔ ماہ پارہ کا تبصرہ اُس نے بھی سن لیا برا تو لگا مگر مصلحتاً خاموش رہی، ایک تو بہن آئی بہت دن بعد تھی۔ دوسرے آئی بھی اسی کی خوشی میں تھی۔

مگر چند گھنٹوں میں ہی اُس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ حبیبہ بہن بھائیوں سے کتنی یاد پٹ لی اور ہر بار ہی اُس کے رونے دھونے کو ماہ پارہ نے سخت ناگواری سے دیکھا۔ اُس کے خیال میں حبیبہ لالچ پارہ میں بگڑی ہوئی بیٹی تھی اور اُس کے دوسرے بچے انتہائی سیدھے اور شریف تھے۔ کچھ بس نہ چلا تو مہر النساء حبیبہ کو اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ حبیبہ رو رو کر تھک چکی تھی جلد ہی سو گئی، مہر النساء کا دل کٹار ہوا اُس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان اور ماہ پارہ کا اُس کے ساتھ بے اعتنائی کا رویہ دیکھ کر۔ معلوم نہیں کتنی بار اُس نے بے ساختہ اُس کے معصوم چہرے پر پیار کیا۔

اُس کی طرح حبیبہ بھی اکیلی ہی تھی ان سارے رشتوں کے بچ۔ صرف اور صرف مہر النساء ہی اُس کی اپنی تھی۔ حبیبہ کو گلے سے لگائے وہ ماہ پارہ کے رویے کے بارے میں سوچے گئی۔ کچھ بھی تھا حبیبہ کے ساتھ اُس کی بے اعتنائی کا دکھ اپنی جگہ! مگر ایک گھٹیا سا اطمینان بھی اُسے حاصل ہو گیا تھا۔ ماہ پارہ اپنی چار بیٹیوں اور ایک بیٹے پر اپنی ممتا تمام کیے ہوئے تھی۔ حبیبہ سے اب اُس کوئی غرض نہ تھی وہ اُسے مکمل طور پر مہر النساء کے حوالے کر کے بھلا چکی تھی کبھی کبھی جو اندیشہ سا حبیبہ سے والہانہ محبت کے بچ سر اٹھاتا تھا آج وہ بھی تمام ہو گیا۔

کبھی کبھی زندگی ہر طرح سے مہربان ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ اگلے روز صبح الدین کی والدہ کو آنا تھا۔ اپنی تمام بددلی کے باوجود انھیں رسم دنیا تو بہر طور بھانی ہی تھی۔



غیر ضروری چیزوں کا خریدار ایک نہ ایک دن گھر کا ضروری سامان بھی بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔  
 دنیا کے سفر میں اصلی ضروریات اور نفسانی خواہشات میں تمیز کر کے قدم رکھو۔  
 بچایا ہوا روپیہ خواہ کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو کئی تر آنکھوں کو پونچھتا ہے۔ ہوت کی جوت ہے۔  
 جو شخص آمدنی کی تہائی سے زیادہ خرچ نہیں کرتا وہ خوش نصیب ہے۔ اور جو نصف خرچ کرتا ہے وہ کفایت شعار ہے۔ مگر نصف سے زیادہ خرچ کرنے والا فضول خرچ اور بے نصیب ہے۔  
 انسان کا حوصلہ پست کرنے اور کمزور کرنے والی دنیا میں کوئی چیز افلاس سے بڑھ کر نہیں۔ عزم کا استحکام اور ارادے کی استواری کھو جاتی ہے۔ دماغی شگفتگی آشفٹگی کی نذر ہو جاتی ہے۔ پیٹ دل و دماغ کو مغلوب کر لیتا ہے۔ غرض تنگ دستی ہر دو جہاں میں باعث رو سیانی ہے۔ لہذا اے عزیز! کوشش کرتا رہ کہ گرفتار افلاس نہ ہو۔ بے زرا اگر اولاد رسول ﷺ ہے تو بھی جہاں میں نامقبول ہے۔  
 کفایت شعارى انسان کا طبعی وصف نہیں ہے بلکہ اکتسابی ہے جو علم، عقل، دوراندیشی اور چال چلن کی درستی سے حاصل ہوتا ہے۔  
 سوسائیل کہتا ہے کفایت شعارى کے لیے کوئی بڑی دلیری یا غیر معمولی طاقت درکار نہیں۔ بلکہ یہ نفس پر تھوڑا سا قابو پانے سے حاصل ہو سکتی ہے جس کا لازمی نتیجہ تو گمری ہو یا کم از کم افلاس کی لعنت سے بچا رہے گا۔  
 اصرار ہو کر مغرور نہ ہونا آسان ہے۔ لیکن غریب ہو کر دوا دیا نہ کرنا مشکل ہے۔  
 دولت کی دیوی بہادر کے پاس اس واسطے نہیں آتی کہ اسے ہر وقت بیوہ ہونے کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ فضول خرچ کے پاس اس لیے نہیں آتی کہ وہ اس کی قدر نہیں کرتا۔ بخیل کے پاس اس لیے نہیں آتی کہ وہ اسے ہوا نہیں لگنے دیتا۔ پس ان سب کو چھوڑ کر کفایت شعار کے پاس رہتی ہے جہاں ہر طرح سے اس کی عزت ہوتی ہے۔  
 بہارِ مرسلہ: فضیل ملک، لاہور

گیارہ کلو مٹھائی اور چند ایک عزیز رشتے وار خواتین کو لا کر وہاں قاعدہ رشتہ پکا کر گئیں نہ کوئی جوش خروش نہ پھرے نہ جھگڑا نہ تباہی! صبح الدین کی ضد نہ ہوتی تو وہ بھلا کیوں مجبور ہوتیں؟ اپنی مایوسی کو انھوں نے چھپانے کی بھی قطعی کوشش نہ کی۔  
 ماہ پارہ نے ان کے ایک ایک انداز کو نوٹ کیا اور ان کے نکتے ہی پیش کر کے ان میں بھی دیر نہیں کی۔  
 ”بالکل بھی خوش نہیں ہیں تیم عالی خاں! لگتا ہے صبح الدین نے مجبور کر کے بھیجا ہے ہمارے پاس!“ معنی خیز سی نگاہ اُس نے مہر النساء پر ڈالی تو وہ نظر پڑا کر رہ گئی۔ ماہ پارہ کے شے کی تصدیق خود بخود ہو گئی۔  
 ”ہائے مہرو! پالکتی تو بالکل بھی ایسی نہیں!“ دل ہی دل میں ماہ پارہ نے نہ جانے کیا کیا قیافے ملائے۔

”شادی میں دیر مت کریں لبتاں، صبح الدین کی ماں کا بھروسہ نہیں، مجھے تو لگتا ہے کہ بیٹے کی ضد کی وجہ سے یہاں کوئی ہیں کسی نہ کسی طرح جلد رشتہ توڑنے کی کوشش بھی کریں گی۔“  
 اس بار لبتاں کو واقعی غصہ آ گیا جب سے ماہ پارہ آئی تھی کوئی بھی اچھی بات منہ سے نہیں نکال رہی تھی۔  
 ”کیا کمی ہے میری مہرو میں۔ اور صبح الدین ایسا کون سا کہیں کا نواب ہے جو میری مہرو اُس کے قابل نہیں نظر آرہی، سگی بہن ہے تمھاری، منہ سے ایسی ویسی بات نکالتے ہوئے کچھ تو سوچ لیا کرو!“ لبتاں اور ماہ پارہ کی مکرر مہر النساء نے بھی سنی۔ اتنے طویل انتظار کے بعد ملنے والی ان خوشیوں بھری گھڑیوں میں وہ بالکل بھی اداس نہ ہونا چاہتی تھی مگر ایک اداسی کی لہر نے اسے اپنی پیٹ



میں لے لیا۔ رات گئے جب وہ کمرے میں آئی تو کوئی بھی خوش رنگ پہنا آنچل سے ساتھ نہ بندھا تھا۔ بس چاروں طرف واہے اور اندیشے تھے آج گھر میں ہونے والی ہل چل کی وجہ سے حبیبہ بھی جاگ رہی تھی۔

”خالہ!“ مہر النساء کی طرف کروٹ لیتے ہوئے اُس نے دونوں ہاتھوں سے مہر کے چہرے کو تھامتے ہوئے پکارا۔

”آپ چلی جائیں گی کیا یہاں سے؟“ مہر النساء نے اپنے خیالوں سے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ کافی پریشان تھی۔

”رہا کہہ رہی تھی کہ تمہاری مہر و خالہ کی شادی ہو رہی ہے پھر تمہیں یہاں اکیلا رہنا پڑے گا۔ اُن کے دو ہاتھ تمہیں تھوڑا ہی لے کر جائیں گے اپنے ساتھ!“ مہر النساء نے ایک گہرا سانس لے کر حبیبہ کو اپنے سے قریب کر لیا۔

”رو انداق کر رہی ہو گی۔“

”میں اپنی بیٹی کو کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتی اور تم مجھے اکیلا جانے دو گی کیا؟ رو کو گی نہیں!“ اس نے مسکراتے ہوئے حبیبہ کے ماتھے پر ہنسنے والوں کو سمیٹا تو وہ بھی ہنس پڑی۔

”میں آپ کو کبھی بھی نہیں جانے دوں گی ایسے پکڑ لوں گی زور سے۔“ حبیبہ نے ہاتھ مہر النساء کی کمر میں ڈال کر اپنے طور سے پوری قوت سے اس کو خود سے لپٹا لیا۔

بچوں کا بہلنا کیا مشکل ہوتا ہے حبیبہ بھی چند منٹوں میں گہری نیند سو گئی۔ مہر النساء زیر لب مسکراتے ہوئے حبیبہ کے معصوم خدشات پر مسکراتی رہی۔

ایسا ایسے ممکن تھا کہ وہ حبیبہ کو چھوڑ جائے۔ صبح الدین لاکھ دل کے قریب سہی مگر حبیبہ اُس کی زندگی تھی۔ اتنی پیاری بچی کو رکھنے میں صبح الدین کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے! محبت میں پہلا ہی قدم اعتماد کی منزل کو سر کرتا ہے۔ مہر النساء کو بھی ایک گہرا اعتماد صبح الدین کی ذات پر ہو گیا تھا۔

”مسئلہ تو امان کا ہے وہ اکیلی کیسے چلو بڑے بھیا

اب ایسے بھی بے حس نہیں ہیں۔ امان سے تو بہت مجھ کرتے ہیں یہاں اکیلا تھوڑا ہی رہنے دیں گے انھیں ہر مسئلے کا شافی حل موجود تھا۔ مہر النساء بڑی سکھ کی غیر گئی۔ اگلے دن پھر وہی صبح سے اٹھا بیٹھ، ماہ پارہ کی سوار واپسی کے لیے پرتول رہی تھی اللہ اللہ کر کے وہ بمبھال عیال رخصت ہوئی تو گھر میں ایک دم ہی امن و سکون ماحول چھا گیا۔ امان مہر النساء اور تو اور حبیبہ نے بھی سانس لیا۔

”پارو امی کو یہاں مت بلایا کر س نانی۔ اتنے گندے بچے ہیں اُن کے، اور وہ خود کتنی غصے والی ہیں ہر وقت گھورتی رہتی ہیں۔ ایسے!“ حبیبہ نے خوفناک ہنسنے لگا۔

”میری بات ہے، بڑوں کی نقل نہیں اتارا کرتے!“ حبیبہ کو شروع سے ہی یہ سمجھا دیا گیا تھا کہ پارو اُس امی ہیں۔ یہ امان اور مہر النساء کا مشترکہ فیصلہ تھا تا کہ جب بڑے ہو کر کسی بھی طرح کی دشمنی کا شکار نہ ہو اور اُن نے واقعی بڑے آرام سے اس حقیقت کو شروع میں تسلیم بھی کر لیا تھا۔

”پارو امی گندی ہیں۔ میں تائی اور مہر و خالہ کی ہوں۔!“ وہ بڑے اعتماد سے کہا کرتی تھی۔

ایک دن اس نے صبح الدین کی امان کے سامنے کچھ ایسی ہی بات کہہ دی، وہ یہاں ویسے ہی بادل نا خواہ آتی تھیں۔ جھٹ بچی کی بات کو پکڑ لیا۔

”اب تم اپنی امی کے پاس جانے کی تیاری کرو۔“ نے بہت لاڈ اٹھا لیے تمہارے۔“ مہر النساء آس پاس تھی، کان اُن ہی کی طرف لگے ہوئے تھے۔ شاید کوئی الدین کے حوالے سے اچھی سی بات سننے کو مل جائے یہاں تو ماہ پارہ کے خدشات ہی پورے ہو رہے تھے۔

”میری ماما تو اس لڑکی کو اب ماہ پارہ کے پاس بھیجا



آنکھیں ڈال کر دیکھ بھی رہی تھی۔

”کیا تیر ہیں ابھی سے۔“ نیم والی خالہ کو وہ اس وقت اور بھی زیادہ زبرد کھائی دی۔

”جس گھر میں اتنی گنجائش نہیں کہ ایک چھوٹی سی بچی وہاں سما سکے وہ گھر مجھے بھی قبول نہیں۔ یہ بھی آپ سنتی جائیں۔“ اس کے الفاظ تھے کے پتھر! ٹھکا ٹھکا اُن کے ماتھے پر آ کر لگے مگر وہ مارے حیرت کے اپنا ماتھا سہلانا بھی بھول گئیں۔

”کوئی ایسے بھی اپنی قسمت پر لات مارتا ہے!“ مہر النساء انھیں پسند تو پہلے بھی نہیں تھی آج اُس کے ذہنی توازن کا بھی تماشا دیکھ لیا۔

”چلو چھٹی ہوئی۔“ اُنھوں نے وہاں سے نکلنے میں دیر نہیں کی۔ صبح الدین اُن کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ایک بار اُنھوں نے اُس کی مان لی تھی اب ان کی باری تھی۔

ماہ پارہ کی کالی زبان رنگ لے آئی۔ اُسی روز رات تک سارے محلے کو پتا چل چکا تھا کہ صبح الدین اور مہر النساء کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔ لٹاں بول بول کر مہر النساء کی شکل دیکھتیں مگر وہاں کوئی تبدیلی نظر نہ آئی ایسے لگ رہا تھا جیسے اس پر کوئی اثر ہی نہ ہوا ہو۔ معمول کے کام نمٹاتی، نمازیں پڑھتی حبیبہ کے ناز اُٹھاتی۔

لٹاں نے اپنی سی پوری کوشش کر ڈالی کہ وہ کسی طرح مان جائے تو معاملے کو قابو کر لیا جائے، مگر اب وہ ایک بھی سنتے کے لیے تیار نہیں تھی۔ خود ماہ پارہ نے بڑے خلوص کے ساتھ حبیبہ کو اپنے پاس رکھنے کی پیشکش کر ڈالی مگر مہر النساء کی ”نا“ ”ہاں“ میں نہ بدل سکی، اندر ہی اندر اُسے صبح الدین نے بھی سخت مایوس کیا تھا۔

”اتنا کم زور شخص! جو ایک چھوٹی سی بچی کے لیے اپنے گھر میں کوئی گنجائش پیدا نہ کر سکا۔“ وہ تنہائی میں بھی مستحقِ کھجور کو رگڑے جاتی، کیا ضرورت ہے ایسے شخص کے لیے آنسو بہانے کی۔ لیکن جس دن صبح الدین

بلکہ اُسے تو خود لے جانا چاہیے تھا۔ اس طرح اگر خالہ کا ہی دم چھلا بنی رہی تو مشکل ہو جائے گی۔“ وہ جس سنجیدگی سے کہہ رہی تھیں وہ خاصی خطرناک تھی۔ حبیبہ چھوٹی ضرور تھی مگر بلا کی حاضر جواب تھی۔ اپنے متعلق کی جانے والی بات تو اسے خوب سمجھ میں آتی تھی۔ صبح الدین کی لٹاں سے اُسے ویسے ہی خاص چڑھوتی جارہی تھی۔ جواب میں زور سے بولی۔

”میں نہیں جاؤں گی پاروائی کے پاس، میں مہر خالہ کی بیٹی ہوں آپ جائیں ہمارے گھر سے۔“ لٹاں ”نہیں... نہیں...“ ہی کرتی رہ گئیں۔ مگر تب تک نیم والی خالہ جتنا اُدا منا سکتی تھیں بنا چکی تھیں۔

”اتنی سی بچی کی اتنی لمبی زبان! میں تو کرتی ہوں صاف بات۔ اور اچھا بھی ہے جو سب باتیں پہلے ہی کر لی جائیں!“ کرم جو بچی تو اُنھوں نے پہلے بھی نہیں دکھائی تھی۔ پھر اس وقت تو بڑی عجیب سی ٹھنڈک اُن کے لہجے میں اُتر آئی تھی۔ مہر النساء کھڑکی کے اوپر بھی قریب کھسک آئی۔ صاف اور سچی بات کرنے کا دعویٰ کرنے والے زیادہ تر یہ دعویٰ اُس وقت کرتے ہیں جب بات سب سے زیادہ دل چاہنے والی ہو۔ یہ اُس کا بارہا کا تجربہ تھا۔ لٹاں نے چلائی کھسکی سی منی کے ساتھ ان سے اتفاق کیے جارہی تھیں۔ بالکل بالکل انسان کو کھرا اور صاف گو ہونا چاہیے ایسا کیا کہ دل میں کچھ اور نہ پرکھ!“

”ہاں تو بی بی! اسی لیے کہہ دیتی ہوں مہر النساء مجھے صبح الدین کے لیے قبول ہے مگر ماہ پارہ کی اس لڑکی سے ہمارا کوئی واسطہ نہ ہوگا۔ خالہ بھانجی کی محبت میں اسی گھر تک مجھ و در ہے نہ میرا گھر اتنا بڑا ہے اور نہ دل!“ وہ سچ سچ کہتی ہوئی اُنھ کھڑی ہوئیں تو زرد ہوتے چہرے والی مہر النساء کو دیکھ کر ٹھٹھک گئیں۔ جب سے رشتہ طے ہوا تھا وہ نیم والی خالہ کا سامنا کرنے سے گریز ہی کر رہی تھی مگر اس وقت نہ صرف بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی بلکہ اُن کی آنکھوں میں

نازنین



کی بارات بہت دھوم دھام سے قریبی شہر کے لیے روانہ ہوئی اُس روز وہ لٹاں اور حبیبہ کی نگاہوں سے بچ کر دل بھر کر روئی۔ وہ بولتی آنکھیں، مہربان لہجہ اور وہ ایک روشن رات! یادوں کے خزانے میں یہی قیمتی متاع کُل تھی۔

بعد میں بھی کئی بار راتوں کو اٹھ کر صحن میں اکر بیٹھی مگر ویسی چمکیلی دل میں اترتی رات پھر کبھی نصیب نہ ہوئی جیسی صبح الدین کے کمرے میں اُسے واپسی پر کسی کھوئی ہوئی خوشی کی مانند اچانک ہی اُس کے ہنسنے میں آگئی تھی۔

مہر النساء کی شادی کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا! اگلے چند برسوں میں بہن بھائیوں نے دو چار بچوں والے رنڈوے اور طلاق یافتہ رشتے اُس کے لیے ڈھونڈے بھی۔ مگر اب مہر النساء پتھر بن چکی تھی۔

اب وہ تھی، لٹاں اور حبیبہ بس! کسی تیکون کی مانند ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم! حبیبہ اب ہائی اسکول میں پڑھ رہی تھی۔ اُس کے اخراجات میں اضافہ دن بدن بڑھ رہا تھا گو وہ بے جا فرمائشیں کر کے تنگ کرنے والی لڑکی نہیں تھی مگر خود مہر النساء کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اس کے لیے کیا کچھ نہ کر ڈالے۔ پچھلے چند برسوں میں مہنگائی بھی کچھ زیادہ بڑھی تھی۔ ابا کی پینشن اور دکان کا کرایہ ناکافی ہونے لگا تھا۔ ایک بار اتفاق سے دونوں بھائی اکٹھے ہی اماں سے ملنے آ گئے تھے۔ اُنھوں نے دبی زبان میں اُن دونوں کی توجہ اس طرف دلائی۔

”بات تو ٹھیک ہے۔“ وہ دونوں ہی کچھ جربز سے ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے دونوں کی بیویاں شروع سے ہی دورانِ دلش تھیں۔ اُنھوں نے ماں، بہن پر پیسے اور وقت خرچ کرنے کی عادت اپنے میاؤں کو پڑنے ہی نہ دی تھی۔ سوابِ بحث میں اُن کا حصہ نکالنا دونوں ہی کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

”اشرف بہت اچھا کمار ہے۔ آپ پارو سے کیوں

نہیں کہتیں کہ کم از کم اب تو اپنی بیٹی کا کچھ خرچا آپ کو کرے۔ اتنے سال سے مفت میں بیٹی پلوالی آپ لوگوں سے!“ دونوں نے مل کر ایک نکتہ ڈھونڈ ہی لیا۔ لٹاں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ اس وقت مہر النساء سامنے نہیں تھی۔ حبیبہ کو لے کر بازار گئی ہوئی تھی سن لیتی تو بیٹا کسی کے بھائیوں کی ایسی خبر لیتی کہ دونوں ہی کانوں کو چاڑھ لگا لیتے۔ حبیبہ کے لیے اُس کی محبت اب پہلے سے زیادہ شدید تھی۔

تنگی کا احساس بڑھنے لگا تو مہر النساء نے سلائی مشین سنبھال لی، ہاتھ میں صفائی تھی ٹھیک ٹھاک کام چل نکلا۔ چند ایک لڑکیاں سکھنے بھی آنے لگیں۔ حالات میں کچھ بہتری بہر حال آئی گئی کبھی کبھی ماہ پارہ بھی آتی تھی۔ لی بچیاں حبیبہ سے بڑی تھیں اچھی تعلیم حاصل کر رہی تھیں اور زمانے کے بدلتے ہوئے رنگ ڈھنگ سے بھی واقف تھیں۔ نئے طرز کے لباسات اور بالوں کے اسٹائل کے ساتھ وہ تینوں واقعی بے حد پیاری لگا کرتی تھیں۔ جبر کے ساتھ اُن کے تعلقات کا وہی عالم تھا۔ بچپن والی لڑائیاں نہ سہی لیکن آپس میں ایک کھنچاؤ و سیر حال محسوس ہوتا تھا۔

”حبیبہ کچھ زیادہ ہی دقیانوسی نہیں لگنے لگی مہر و آ! آ!“ کل کی لڑکیوں والی بات ہی نہیں محسوس ہوئی اس میں۔ ”اس بار ماہ پارہ آئی تو ٹو کے بغیر نہ رہ سکی، مہر النساء چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کے خیال میں جبر سے زیادہ بہترین کوئی دوسری لڑکی نہیں تھی۔

”مجھے تو کبھی ایسا نہیں لگا شاید وہ اتنی تیز نہیں ہے جبر دوسری لڑکیاں۔“ مہر و النساء نے بہ مشکل خود کو اپنے ”جیسی تمھاری بیٹیاں!“ کہنے سے روکا۔

”تیز ہونا بری بات نہیں مہر و آ! آج کل اُن لڑکیوں کو پوچھا جاتا ہے جو زمانے کے ساتھ چلنے قابل ہوتی ہیں۔ لوگ ظاہر پر جان دیتے ہیں۔ میں۔“



کچھ تینوں بیٹیوں پر کتنی توجہ دی ہے۔ بتا نہیں سکتی کتنے رشتے آرہے ہیں تینوں کے۔“ مہر و چپ سی ہو کر اُس کی شکل دیکھنے لگی۔

”جیبہ میٹرک میں آگئی تھی۔ گو ابھی چھوٹی ہی سمجھی جاتی تھی، مگر... کوئی ایک رشتہ اُس کا بھی آ تو جانا چاہیے تھا۔“ وہ سوچے بغیر نہ رہ سکی۔

ماہ پارہ چلی گئی تو پہلی بار مہر النساء نے اس بارے میں سوچا۔ بہت سوچ سوچ کر وہ اچھی والی کاٹن کے دو سوٹ خرید کر لائی پھر پڑوس میں رہنے والی لڑکیوں سے مختلف میگزین منگوا کر بہت سے جدید ڈیزائن دیکھ ڈالے جیبہ کے میٹرک کے امتحان ہونے والے تھے وہ زیادہ وقت اپنی بڑھائی میں مصروف رہتی تھی۔ اس بار ماہ پارہ کے جانے کے بعد اس میں ایک ہلکی سی تبدیلی ضرور آئی تھی کہ وہ کسی وقت ماہ پارہ اور اُس کی تینوں بیٹیوں کو یاد کر لیا کرتی تھی۔

”پاروائی کے جانے کے بعد کتنی خاموش رہنے لگی ہیں نانی۔ روبا جی وغیرہ تو کتنی باتیں کرتی رہتی ہیں!“

اتنا اتنے برسوں میں خاموش اور بھائی کی اتنی عادی ہو چکی تھیں کہ ماہ پارہ اور اُس کی پلٹن کی واپسی کے بعد باقاعدہ مسکرا کر کلمہ پڑھا کرتی تھیں۔ جیبہ کی بات سن کر وہ ٹوٹ بھرے لہجے میں بولی۔

”نر میں درد رہنے لگا تھا میرے تو۔ ماں بیٹیاں چپ ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ مستقل کچر کچر!“ مہر النساء پاس ہی سلائی مشین رکھے ٹائپی کی کتاب کی بات پر بے ساختہ ہنس پڑی۔ جیبہ منہ موڑ کر یوں ہی دوسری طرف دیکھنے لگی کسی نے بھی نوٹ نہ کیا کہ وہ مسکرائی تک نہیں تھی۔

”یہ تو تمہارے سوٹ تیار ہو گئے ذرا پہن کر تو دکھاؤ کیسی لگتی ہو؟“ مہر النساء کی ساری توجہ اُن بے حد خوب صورتی کے ساتھ سلے ہوئے جوڑوں کی طرف تھی جو دن رات کی محنت کے بعد تیار ہوئے تھے۔

”ہاں اچھے ہیں۔“ جیبہ کے لہجے میں کوئی دل چسپی

نہیں تھی۔ یوں ہی رسی سی تعریف کر کے وہ چپ ہو گئی۔

”جاؤ پہن کر آؤ دیکھنا کتنی پیاری لگو گی انھیں پہن کر۔“ مہر النساء کا اصرار بڑھنے لگا تو جیبہ کو اٹھنا ہی پڑا۔

چند منٹ بعد واپس آئی تو موڈ واضح طور پر خراب تھا۔

”ٹراؤ زرد ریزی اچھا سیتا ہے اُن کی کنگ مختلف ہوتی ہے خالہ۔ آپ نے بے کار اتنی محنت کی۔ دیکھیں ذرا بھی اسمارٹنیس نہیں آرہی!“ اتناں کو مہر النساء کی اتری ہوئی صورت پر رحم آنے لگا تو وہ جیبہ پر خفا ہونے لگیں۔

”آپ رہنے دیں اتناں! بے کار میں بچی پر غصہ کر رہی ہیں۔ جیبہ ایسا کرتے ہیں ہم چل کر ریڈی میڈ سوٹ خرید لیتے ہیں کل ہی۔ ٹھیک ہے!“ مہر النساء نے فوراً اماں کو ٹوکا۔ جیبہ کی ذرا سی بھی دل شکنی اُسے منظور نہ تھی۔

جیبہ مطمئن ہو کر واپس کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی اور مہر النساء اپنی سلائی مشین کے گرد پھیلے ہوئے سامان کو سمیٹنے لگی۔ اتناں چپ چاپ اُس کی طرف دیکھتی رہیں نہ چاہتے ہوئے کبھی کبھی ایک شکوہ ان کا دل چیرتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

”اتنی بڑی خدائی میں مہر النساء کے حصے میں محض ایک لمبی سیاہ رات ہی کیوں آئی تھی۔ اس ہنستی بستی دنیا میں ایک دل میں بس جانے والی ہنسی اُس کے ہونٹوں سے کیوں روٹھی رہی۔“ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر انھوں نے آنکھیں موند لیں۔ کہیں کہیں خوشیوں کا ایسا ہی قحط پڑتا ہے جو ساری زندگی پر محیط ہو جاتا ہے۔

مہر النساء کی نہ سہی مگر اتناں کی ہمت اب ٹوٹ چکی تھی۔ شاید اُن کا اور مہر النساء کا ساتھ بس یہیں تک تھا۔

جیبہ کے میٹرک میں اے گریڈ لینے کی مٹھائی بانٹ کر اور جبار کباد دیں وصول کرنے سے فارغ ہوتے ہی انھوں نے دنیا سے رخصت سفر باندھ لیا۔

اُن کی خدائی اتنی اچانک تھی کہ مہر النساء کو کئی دنوں یقین نہ آ کر دیا۔ دنوں بھائی اور ماہ پارہ اُس کے غم کی



گہرائی کو سمجھ رہے تھے اور اُس کی دل جوئی میں کوئی کسر نہیں چھوڑنا چاہ رہے تھے۔ دونوں بھابیوں، ماہ پارہ اُس کی بیٹیاں سب ہی باری باری مہر النساء اور حبیبہ کی تنہائی کے خیال سے ان کے پاس وہاں رکتی رہیں۔ اور سب ہی نے اپنے اپنے طور پر یہ اندازہ لگالیا کہ وہ سب ایک دوسرے سے الگ رہنے کے اتنے زیادہ عادی ہو چکے ہیں کہ اب ایک عجیب سی الجھن پیدا کرتا تکلف ان کے درمیان آچکا ہے۔

”حبیبہ اور مہر النساء کا وہیں کوئی بندوبست کرنا پڑے گا ہمارے ساتھ تو اُن دونوں کا گزارہ ناممکن ہے۔“ اناں کے چہلم تک دونوں بھابیوں نے اپنے اپنے میاں کو صاف صاف کئی بار بتا دیا تھا۔ سو اُن لوگوں کے ساتھ رہنا تو خود بخود ہی خارج از بحث ہو گیا تھا۔

”حبیبہ یہاں پڑھ رہی ہے، کالج بھی گھر سے بالکل قریب ہے اور پھر اتنا پرانا محلہ ہے، اناں کی کمی تو ضرور محسوس ہوگی مگر تم لوگ یہاں بہت آرام سے رہو گی ہمیشہ کی طرح۔“ اماں کی چہلم پر پلاؤ، قورمے کی دیکوں کے حساب اور باقی سارا پھیلا واسمیٹ کمر جب وہ سب بہن بھائی اکٹھے ہو کر بیٹھے تو گفت گو کسی مزید تمہید کے بغیر یہاں سے شروع ہوئی۔

مہر النساء کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اُسے کیا کہنا چاہیے وہ نہ تو فیصلہ کر سکتی تھی اور نہ ہی اُن لوگوں کے فیصلے کو رد کرنے کا اُسے کوئی حق تھا مگر دل ہی دل میں کہیں یہ خیال ضرور تھا کہ اب بوریا بستر سمیٹ کر کسی نہ کسی بھائی کے گھر پر بیرا کرنا پڑے گا۔ ماہ پارہ البتہ بے حد تملاتی ہوئی تھی۔

”مہر و آ پا غیر شادی شدہ ہیں ٹھیک ہے اُن کی عمر کافی ہوگئی مگر ہیں تو بہر حال کنواری! آپ لوگوں نے بڑی آسانی سے فیصلہ کر لیا کہ ان دونوں کو یہیں رہنے دیا جائے دنیا کی باتوں کا جواب تو مجھے دینا پڑتا ہے۔“

”دنیا“ سے مراد اُس کی ہمیشہ اپنی ساس اور سسرال ہی

ہوتی تھی۔ اور اب تو وہ اُن لوگوں سے کبہ بھی چکی تھی کہ النساء کو بھائی اور حبیبہ کو وہ خود اپنے پاس رکھے گی۔ رکھے تو میں مہر و آ پا کو اپنے پاس رکھ لوں مگر میں نہیں چاہتی کہ کو میری بہن کو طعنے دیے جائیں۔ حبیبہ کی بات دور ہے اُس کی ذمے داری تو اشرف کو قبول کرنی پڑے گی۔

خلافِ عادت اُس نے بھائیوں اور بھابیوں کی خواہش تک کر لی مگر وہاں نظر ملانی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

”گھر کافی بڑا ہے اناں میں تو کوئی بات نہیں تھی اب ان دونوں کو اتنے بڑے کمرے کی ضرورت نہیں۔“ اناں کی طرف والے دو کمرے اور اناں کے کمرے باقی یہ اس طرف کے تین کمرے، بڑا دالان اور کچن میں سے دیوار اٹھوا کر الگ کر لیے جائیں تو بہتر ہے بڑے کچن کے کمرے میں بیگم کی زبان تھی اور اس منصوبہ کے بارے میں وہ چھوٹے بھائی سے بات بھی کر چکے تھے۔

”آگے تم لوگوں کی مرضی! بیچنا چاہو تو بیچ دیتے ورنہ کرائے پر دے دو، ویسے میرے خیال میں تو زیادہ ہے کہ بیچ ہی دیا جائے یہاں اتنے زیادہ کرائے تو ہیں!“ بہت آرام سے اناں نے اپنا موقف بیان کر دیا۔ اس بار ماہ پارہ بھی سوچ میں پڑ گئی یہ پیش کش اناں کے فائدے میں بھی جاتی تھی۔ دونوں بڑی بیٹیوں کی طرف کی فکر اُس کے بھی سر پر سوار تھی۔ تر کے میں ملنے والا سے یہ کار خیر بہ خوبی نمٹایا جاسکتا تھا۔ سامنے بیٹھی مہر و آ سے نگاہ پڑا کر اُس نے نیم رضا مندی کا اظہار کیا تو اناں ہی فیصلہ ہو گیا۔

”تم فکر مت کرنا مہر و آ! ہم سب لوگ تمہارا خیال کریں گے۔ خرچ کی بالکل فکر مت کرنا۔“ بڑے بھائی کہنے پر اُن سب کو ہی ڈھارس ملی ہر کوئی ہاں میں ملانے میں آگے آگے تھا۔ ماہ پارہ کامیاں اُس وقت تھا بعد میں اُس نے تفصیل سنی تو سوچ میں پڑ گیا۔

”پارو! سچ حبیبہ کو لینے چلتے ہیں اب اس کا یہاں ناؤ۔“



## حضور ﷺ نے فرمایا

”اپنے نفس اور دوسروں پر زیادتی نہ کرو اور اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ جو تم خود کھاؤ وہ انھیں بھی کھاؤ اور جو تم پہنؤ وہ انھیں بھی پہناؤ۔ اگر وہ ایسی خطا کریں جسے تم معاف نہ کرنا چاہو تو اللہ کے بندو انھیں فروخت کر دو اور انھیں سزا نہ دو۔“

✽ مرسل: ہمکین اعجاز، کراچی ✽

اپنے فائدے میں جانے والی بات تھی۔ یہی پیسہ بچتا تو سو کام بنا سکتا تھا۔ اکلوتے لاڈلے بیٹے کے لیے اُس کے بہت اونچے خواب تھے۔

”ٹھیک ہے رہنے دو حبیبہ کو یہیں۔“ احسان دھرتے لہجے میں اشرف نے رضا مندی ظاہر کی۔

”بے چاری مہرو آپا کا خیال ہم نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ مگر سال دو سال میں حبیبہ کا کوئی رشتہ ڈھونڈ لو میں بہت زیادہ عرصے اُسے یہاں پڑا نہیں رہنے دوں گا۔“ بات کے اختتام پر دھمکی تھی جو پارو کو ذرا بھی بُری نہیں لگی۔ خود اُس نے بھی یہی سوچا ہوا تھا پیسوں کی جلدی سب ہی کو تھی۔

اگلے سب کام جتنی جلدی ہو سکتا تھا نمٹائے گئے۔ مہر النساء کا سامان ادھر سے ادھر منتقل کرنے سے لے کر صحن میں دیوار کھڑی ہونے اور مکان کا سودا طے پا جانے تک! سب کام ایک تسلسل کے ساتھ جلدی جلدی ہوتے چلے گئے۔ مہر النساء بُت بنی سب کچھ دیکھے گئی نہ کوئی سوال، نہ رائے، نہ مشورہ جس دن بڑے بھیا اُس کے حصے کی رقم چیک میں جمع کروا کر چیک بک اُس کے ہاتھوں میں تھا کر خود اپنے گھر روانہ ہوئے اُس روز البتہ وہ بہت روٹی اتنا ہی جتنا سنی الدین کی شادی والے دن روٹی تھی۔ حبیبہ کی اُسے چُپ کرانے کی ساری کوششیں بے کار جانے لگیں تو وہ خود بھی رونے بیٹھ گئی اور یہی بات کارگر ثابت ہوئی۔

رہتا مناسب بھی نہیں، اماں تھیں تو اور بات تھی۔“ اتنے عرصے میں ماہ پارہ نے اُسے کبھی بھی حبیبہ کے لیے فکر مند ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

”ہاں! واقعی لتاں تھیں تو کچھ بھی فکر نہیں تھی نہ مہرو آپا کی اور نہ حبیبہ کی، مگر اب تو...“ اشرف نے تیزی سے اُس کی بات کاٹی۔

”مہرو آپا کی کیا فکر! وہ تو عمر رسیدہ عورت ہیں، مجھے تو اپنی بچی کی فکر ہے لاکھ پرانا محلہ ہے مگر آج کل کس کا بھروسہ کیا جاسکتا ہے!“

”مہرو آپا کے سامنے ایسا کچھ مت کہہ دینا اللہ کے واسطے، حبیبہ کو اُن سے الگ اُس صورت میں کیا جاسکتا تھا کہ بھائی مہرو آپا کو اپنے ساتھ لے جاتے، مگر اب اس طرح نہیں۔ وہ تو بالکل پاگل ہو جائیں گی۔“ ماہ پارہ کے سمجھانے کا بھی اشرف پر کچھ ایسا اثر نہیں ہو رہا تھا ان کا بیٹی کے بارے میں حق ملکیت ایک دم ہی جا گیا تھا۔

ماہ پارہ کو خود اپنے اور پارو کو اس حبیبہ کو لانے کا شوشہ خود اُس نے ہی یہاں آنے سے پہلے چھوڑا تھا۔ تب ہی ایک خیال سے اُس کی آنکھوں میں چمک سی آئی۔

”مہرو آپا کو اچھا خاصا پیسہ ملے گا مکان کے ترکے میں سے اور یہ پیسہ وہ حبیبہ کے علاوہ کسی اور پر لگانے والی نہیں ہیں یہ تو تم بھی مانو گے لیکن اگر اس وقت ہم نے حبیبہ کو اُن سے لے لیا تو پھر سمجھو حبیبہ کی شادی کی ذمہ داری بھی ہم پر ہی آئے گی۔ دونوں بھابھیاں بے چاری مہرو آپا کا سارا پیسہ ہڑپ کر لیں گی!“ اشرف چند منٹ سر جھکائے خاموشی سے کچھ سوچے گیا بات سیدھی ان کے دل کو گئی تھی۔ اشرف اپنی بیوی کی سمجھ داری کا وہ ہمیشہ سے معترف تھا۔ چار بچوں کے اخراجات پورے کرتے ہوئے اُسے کبھی حبیبہ کا خیال آیا بھی تھا تو اُس نے شکر ہی ادا کیا تھا کہ کم از کم حبیبہ کی ہر ذمہ داری سے وہ آزاد ہے۔

ابھی بھی جو کچھ ماہ پارہ کہہ رہی تھی سو فیصد اُس کے



”تم کیوں رونے لگیں مجھے تو بس ایسے ہی لقاں یاد آ رہی تھیں۔“ بہ مشکل تمام خود پر قابو پا کر اُس نے حبیبہ کو پیار سے اپنے ساتھ لگایا۔

”پاروامی اور ماموؤں نے تو تانی کو اس طرح یاد نہیں کیا۔ اُن کی بھی تو لقاں تھیں وہ!“ مہر النساء نے آنسو صاف کرتے ہوئے تھوڑی سی حیرت کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا ایک پھکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی۔

”وہ مجھ سے زیادہ بہادر ہیں۔ میرا دل چھوٹا ہے۔ نا!“

”نہیں خالہ! اصل میں اُن کے پاس وہ سب سے بہت سارے رشتے ہیں تانی سے زیادہ اہم! اس لیے انہیں اتنی چوٹ نہیں لگی۔“ بیگی بیگی آنکھوں کے ساتھ حبیبہ نے اُس کی تصحیح کی۔

”آپ کے پاس تو صرف میں اور تانی ہی تھے۔“ اتنی کم عمری میں وہ رشتوں اور رویوں کا صحیح طور سے تجربہ کرنا سیکھ رہی تھی۔

”ہر نئی نسل پچھلی نسل کے مقابلے میں شاید زندگی کو زیادہ بہتر طور پر تنے کی اہل ہوتی ہے۔“ مہر النساء کو ہلکے سے فخر کا احساس ہوا۔

برابر والے حصے میں کوئی وکیل صاحب آئے تھے چار پانچ بچوں میں سے شاید وہ دو یا تین کی شادی کر چکے تھے۔ مہر النساء نے ڈھنگ سے ان کے بارے میں سنا ہی نہیں تھا۔ جب ماہ پارہ وغیرہ یہیں تھیں تو وکیل صاحب کی بیوی اُن لوگوں سے ملنے کے لیے آئی تھیں خاصی دیر بیٹھی تھیں۔ اماں کا غم بالکل تازہ تھا سو مہر النساء نے خود ہی کچھ دل چسپی نہیں لی تھی۔ سارا وقت ماہ پارہ ہی اُن سے باتیں کرتی رہی تھی۔ ابھی بھی ایک آدھ بار مہر النساء کا ان سے سامنا ہوا تب بھی بس سرسری انداز میں سر کے اشارے سے سلام کر کے اُس نے اپنا دروازہ بند کر لیا تھا۔

”عافیت بند دروازوں کے پیچھے ہی تھی۔“ زندگی کے متعلق یہ مہر النساء کا اپنا تجربہ تھا۔ بہت برس گزر گئے اب

لوگوں سے اُس کا ملنا جلنا برائے نام ہی رہ گیا تھا۔ کئی خوشی غمی سب کو نشانہ لقاں کی ذمے داری تھی۔

”اور کتنا اچھا ہوتا اگر اُس روز بھی لقاں ہی صبح کے ہاں میلاد میں چلی گئی ہوتیں، ساری گڑ بڑ بڑے کے آنے سے ہوئی تھی۔“ جانے کتنی بار یہ خیال اُسے تھا۔ دل سے جزی ایک یاد آج بھی آج دیتی رہتی تھی۔ پہلے دل ہی نہیں جاہتا تھا انہیں جانے کو اور اب جاہتا نہیں رہی تھی۔ ایک نئی فکر ہو سوار ہوئی تھی وہ خرچ کی لقاں کے انتقال کے ساتھ ہی ابا کو ملنے والی عظیم سلسلہ بھی منقطع ہو گیا تھا۔ مہر النساء نے سلائی کے اور بھی بڑھا دیا۔ بھائیوں کی طرف سے بہت سارے دباؤوں کے باوجود اُسے ایک فیصد بھی کوئی اچھی امید تھی اور کھر سے ملنے والی رقم کو وہ حبیبہ کے لیے محفوظ چاہتی تھی۔ لقاں کی پرانی ملنے والیاں بے چاری اس خیر خبر رکھنے کے لیے آتی چاتی روتی تھیں۔ سلائی کے لڑکیاں عورتیں آ جاتیں۔ گھر میں کچھ بنگلہ سا کچھ دیر لیے وقفے وقفے سے جاگتا رہتا۔

مہر النساء کو تو کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔ مگر حبیبہ کی سی چہل پہل سے ہی بڑی خوش ہو جاتی اور اُس کو دل میں مہر النساء مطمئن ہو جاتی۔ پچھلے کچھ عرصے میں حبیبہ پاس کچھ لڑکیوں کا آنا جانا کافی بڑھ گیا تھا۔

مہر النساء نے اتنا دھیان بھی نہیں دیا پاس پڑوس لڑکیاں تھیں جن میں چند ایک تو حبیبہ کے ساتھ ہی بھی جایا کرتی تھیں۔

اُس شام بھی وہ لوگ کمرے میں آئی بیٹھی تھیں۔ النساء کو آج رات تک سلائی کے لیے آئے کچھ کام لازمی تیار کر کے دینے تھے۔ وہ جلدی جلدی انہیں میں لگی ہوئی تھی۔ برابر والی خالا زبیدہ بڑی دیر سے بیٹھی تھیں اماں کی پرانی کیملی تھیں۔ اُن کی زندگی تقریباً روز ہی شام کو آ جایا کرتی تھیں اُن کے بعد



”پھر کیا کرنا چاہیے خالہ آپ ہی بتائیے!“

”پریشان مت ہو۔ تھوڑی بہت دیر کا آنا جانا ٹھیک ہے یہ ہر وقت سہیلیوں کا مجمع مت لگا رہنے دو اور دوسرے یہیں کہیں آس پاس ہی کوئی اچھا لڑکا دیکھ کر حبیبہ کی کم از کم مقلنی ضرور کرو، شادی بے شک چند سال بعد کرنا، ہمیشہ تمہارے قریب بھی رہے گی اس سے اچھی کیا بات ہے۔ ہے ناں!“ زبیدہ خالہ نے اپنی عقل کے مطابق مشورہ دیا۔ حبیبہ کا آگے پڑھنے کا شوق، میڈیکل میں جانے کا خواب وغیرہ وغیرہ! مہر النساء کے ذہن میں بہت ساری باتیں گڈنڈ ہونے لگیں مگر زبیدہ خالہ کا دیا مشورہ بھاری پڑنے لگا۔

”تم کہو تو میں دیکھوں کوئی مناسب سا لڑکا....“ وہ فی سبیل اللہ نیکی کمانے کے موڈ میں نظر آ رہی تھیں۔ مہر النساء کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔

اگلے چند دن اُس نے حبیبہ کو روک ٹوک کرنے میں گزارے۔ وہ پہلے تو مسکرا کر ٹالتی رہی پھر جھنجھلا نے لگی اور پھر بری طرح خفا ہو گئی۔

”اچھی مصیبت ہے ایک تو خود کہیں آتے جاتے نہیں ہیں دوسروں کے آنے پر بھی آپ کو اعتراض ہے بس سارا دن اکیلے پڑے رہو۔“ آج وہ مستقل بڑبڑائے جاری تھی۔ مہر النساء کو اُس کے غصے پر بھی پیارا آتا تھا اس لیے مسکرا کر ٹال گئی۔

مہر النساء مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ کسی نے باہر کا دروازہ بجایا۔ حبیبہ اندر کمرے میں تھی اور ویسے بھی باہر کا دروازہ عموماً مہر النساء خود ہی کھولا کرتی تھی۔ اب اس میں پہلے جیسی پھرتی نہیں رہی تھی جائے نماز تہہ کر کے دو دروازے تک پہنچتے پہنچتے آنے والا کنڈی دوبارہ بجا چکا تھا۔

”خدا بھی مبرا نہیں ہے آج کل کسی میں، بھلا کوئی دروازے سے لگا کڑا ہے جو پہلی ہی دستک میں دروازہ کھل جائے گا۔“ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اُس نے

اُس معمول کو برقرار رکھے ہوئے تھیں۔  
ہنسی کی ایک جھنکار وقفے وقفے سے کمرے سے پھوٹ رہی تھی۔ آخر کو ان سے رہا نہ گیا تو مہر النساء کی توجہ اس طرف دلانا ضروری سمجھی۔

”یہ لڑکیاں جو سارا دن گھسی رہتی ہیں ذرا ان پر بھی نظر رکھا کرو مہر بیٹی!“ نیچی آواز کر کے وہ یہ بات جتنا تجسس بھر کر کہہ رہی تھیں۔ مہر النساء کو چونک کر اُن کی طرف دیکھنا پڑا۔

”تم تو بوسدا کی سیدھی، اللہ میاں کی گائے۔“ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر انھوں نے اُس کی بے رنگ اور تنہائیوں میں لپٹی زندگی کو خراج تحسین پیش کیا۔

”آج کل کی لڑکیاں بہت تیز ہیں۔ بالابالا بہت کچھ جانتی ہیں ماں باپ کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتیں۔ ایسا نہ ہو حبیبہ بھی دیکھا دیکھی اُن کے رنگ میں رنگنے لگے اس عمر میں بڑا دھیان رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، تم بھی ذرا...“ مہر النساء کو ان سے واقعی بڑی محبت محسوس ہوتی تھی۔ اماں کی سی یو آتی تھی ان میں سے نہ جانے کہاں کہاں کے قصے چھیڑے رکھتیں، مہر النساء سنے جاتی خود اُس کے پاس سنانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

کمرے سے ایک دم بہت زوردار قبضہ بلند ہوا تھا۔ زبیدہ خالہ بے ساختہ ہی اپنی بات ادھوری چھوڑ کر سامنے کمرے کی طرف دیکھنے لگیں۔ لڑکیاں دھیمی آواز میں نہ جانے کیا باتیں کر رہی تھیں انھوں نے دوسری نگاہ قریب بیٹھی مہر النساء پر ڈالی وہ بدستور منہ نیچے کیے حلائی میں جچی ہوئی تھی اس کے سر کے آدھے سے زائد بال سفید ہو چکے تھے۔  
خالہ زبیدہ نے تاسف سے سر ہلایا اور بے شکل خود کو کسی تیسرے سے روک کر دوبارہ اپنی پچھلی بات کا سرا جھونکا کر ہنسی کی آگے کی داستان لمبی تھی۔

”محلے کی کن کن لڑکیوں نے خود اپنی پسند کی شادی کی تھی اور والدین کو اُن کی مرضی کے آگے سر جھکانا پڑا تھا۔“ مہر النساء واقعی پریشان ہو کر اُن کی شکل دیکھنے لگی۔



چٹنی گرائی تو بے ساختہ ہی چونک پڑی۔

”اتنی روشن جگہ گاتی آنکھیں۔“ کوئی بہت پرانی بات

پل کے ہزارویں حصے میں یاد آ کر رہ گئی۔

”یہ امی نے بھجوا دیا ہے آئی!“ وہ خوش شکل اجنبی لڑکا

برابر والے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا

تھا۔ تب ہی مہر النساء کو برابر میں رہنے والے وکیل

صاحب کی بیگم یاد آ گئیں۔

”امی کو میرا شکریہ کہنا اور سلام بھی۔“ بریانی کی ڈش

خالی کر کے لانے تک وہ مستقل مسکراتی رہی۔ زیادہ بات

نہ کرنے کی عادت کے باوجود اس نے لڑکے سے اُس کا

نام بھی پوچھ لیا اور کام بھی۔ اُس کا نام یاد تھا اور وہ اپنے

والد کے ساتھ ہی وکالت کی پریکٹس شروع کر چکا تھا۔

مہر النساء دروازہ بند کر کے بہت مسرور سی واپس

برآمدے میں آ گئی۔ آج بہت عرصے بعد اس نے گردو

پیش پر نگاہ ڈالی تھی۔ پہلی نگاہ میں ہی اسے یاد پڑ گیا تھا۔

”ادب قاعدے والا، تعلیم یافتہ، اوپر سے خوش شکل!

حبیبہ کے ساتھ کتنا چچے گا!“ ماہ پارہ پچھلی بار آئی تھی تو اُن

لڑکوں کی تصویریں لائی تھیں جن کے رشتے اُس کی دونوں

بڑی بیٹیوں کے لیے آئے تھے۔ کوئی بھی دیکھنے میں اتنا

اچھا نہیں تھا جتنا یاد! مہر النساء کو پہلی بار اپنے طرز زندگی پر

افسوس ہوا۔

”ایسی بھی کیا لا تعلقی کہ انسان آس پاس کی بالکل بھی

خبر نہ رکھے۔“ اُس رات وہ بڑی دیر تک وکیل صاحب کی

بیگم سے تعلقات بڑھانے کے بارے میں سنجیدگی سے

سوچتی رہی، حبیبہ جتنی پیاری تھی اُسے کوئی بھی پہ خوشی پسند

کر سکتا تھا۔ اگلے دن ہی وہ وکیل صاحب کی بیوی کا شکریہ

ادا کرنے کے بہانے اُن کے گھر کا چکر لگا آئی پہلے خیال

بھی آیا کہ حبیبہ کو بھی ساتھ لے جائے مگر پھر کچھ ٹھیک نہ

لگا۔ سوز بیدہ خالہ کو ساتھ لے گئی۔

”میری بات لکھ کر رکھ لو یہ لوگ حبیبہ کا رشتہ لے کر

آنے والے ہیں!“ زبیدہ خالہ نے گھر میں واپس نہ

رکھتے ہی پیش گوئی کر دی تھی خود مہر النساء بھی بے

مطمئن تھی۔

یاد کی امی نے جتنی آؤ بھگت کی تھی اور جس طرح وہ

بار حبیبہ کی تعریف کیے جا رہی تھیں وہ سب ہی معنی خیز تھا۔

”بس خالہ دعا کریں۔ میرا حبیبہ کے علاوہ اور ہے کون

! ہمیشہ یہاں میرے اتنے قریب رہے گی۔“ اُس کی آواز

رندھنے لگی، خالہ تسلی کے لیے قریب آ کر بیٹھی تھیں کہ چہرہ

اندر سے نکل آئی۔

”کل مجھے کالج نہیں جانا آپ صبح جلدی

اٹھا دیجئے گا۔“ کبھی کبھی اُس کے لہجے میں اتنی

آجانی تھی کہ دوسرے سننے والے کو بھی محسوس ہوتی تھی۔

زبیدہ خالہ نے مہر النساء کو جتایا تو وہ ہنسنے لگی۔

”بچی ہے خالہ! آج کل مجھ سے ناراض ہے اُس

سہیلیوں کا آنا جانا جو کم کر لیا ہے میں نے!“

لیکن حبیبہ اس بار واقعی ناراض تھی۔ مرنے والی تو بات

کر لیتی ورنہ نہیں! اس نے کالج کی بھی کئی چٹیاں

تھیں۔ مہر النساء نے کئی بار پوچھا بھی اُن ساری بات

پٹانگ سہیلیوں کو بلانے کی بھی اجازت دے ڈالی تھی

یوں ہی کھوئی کھوئی سی اپنے کمرے میں زیادہ وقت گزارا

مہر النساء فکر مند تھی مگر زیادہ نہیں!

وکیل صاحب کی بیوی اُس کے ایک چکر کے جواب

چار چکر لگا گئی تھیں۔ مہر النساء کے ساتھ اُن کے تعلق

بڑی تیزی سے مستحکم ہوئے تھے۔ کل رات جب وہ آگے

بہت صاف صاف الفاظ میں کہہ گئی تھیں کہ وہ لوگ بہت

ایک خاص مقصد کے لیے اُن کے گھر آنے والے ہیں۔

جب سے ہی مہر النساء کے خوشی کے مارے ہاتھ پاؤں

پھولے جا رہے تھے۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ فوراً یہ خوشی

حبیبہ کو بھی سنا دے مگر پھر اپنی بے وقوفی پر غصہ کر رہ گئی۔

کسی نہ کسی وقت انسان کو ایسا لگنے لگتا ہے کہ کالی رات



ہوتا تو شاید وہ کچھ دیر اور بہ خوشی بازار میں گزاردیتی۔  
گھر واپسی پر ماہ پارہ آئی بیٹھی تھی اچانک، بغیر  
اطلاع کے۔

مہر النساء کورات سے وہ کتنی باریاد آئی تھی۔ خوشی کی یہ  
خبر اُس کے ساتھ باٹنے کا دل بے حد چاہ رہا تھا۔ سوچا تھا  
کہ آج فون کر کے اُسے کہے گی کہ ذرا وقت نکال کر  
یہاں کا چکر لگا جائے مگر نہ جانے کیسے وہ خود ہی چلی آئی۔  
”دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ میں رات سے تمہیں  
بے حد یاد کر رہی تھی پارو!“ بے حد محبت سے اُسے گلے  
لگاتے ہوئے وہ کہنے لگی۔

”ہاں بس آنا ہی پڑا، ابھی تو ہو کر گئی تھی پچھلے مہینے۔ اتنی  
جلدی کہاں نکلتا ہوتا ہے، مگر حبیبہ کا فون آیا تو دل کو فکر سی  
لگ گئی تھی۔“ مہر النساء کو خود سے الگ کرتے ہوئے ماہ پارہ  
نے کہا تو اُس نے چونک کر حبیبہ کی طرف دیکھا وہ کچن کے  
دروازے میں کھڑی اُسی کی طرف دیکھ رہی تھی مہر النساء کو  
اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو جھینپ کر اندر مڑ گئی۔  
”چلو، بہت اچھا ہوا تم آئیں تو، حبیبہ بھی تنہائی سے  
پریشان ہو جاتی ہے۔ تمہاری بچیوں کے ساتھ اُس کا دل  
ٹکا رہتا ہے۔“ ماہ پارہ سے یہ سب شاید اس نے خود اپنے  
آپ کو مطمئن کرنے کے لیے کہا تھا۔

”بچیوں میں سے تو کسی کو بھی نہیں لائی اُن کا یہاں  
دل نہیں لگتا، حبیبہ بے چاری پر کبھی کبھی بڑا رحم آتا ہے  
بالکل اکیلی رہتی ہے یہاں۔“ اُس کے لہجے میں کچھ ایسا  
تھا جو مہر النساء کو اس خوشی کے عالم میں بھی چھپا!

”بھلا اس طرح کی باتوں کا اب کیا مطلب تھا۔“ سر کو  
ہلکے سے جھٹک کر اُس نے پارو کی بات کا اثر زائل کرنا چاہا۔  
”حبیبہ! چائے تو بناؤ پارو تھکی ہوئی ہے!“ وہ کچن کی  
طرف منہ کر کے پکار کر کہنے لگی تو اُس نے فوراً منع کر دیا۔  
”چائے میں نے پی لی اچھی خاصی دیر ہو چکی ہے مجھے  
آئے ہوئے۔ ویسے ایک بات کہوں مہر واپا! بُرا مت

بس اب کٹنے کو ہے، مہر النساء کو بھی اُمید کے ننھے جگنو  
اطراف میں چمکتے ہوئے محسوس ہونے لگے تھے۔ اگلی صبح  
ناشتے کے بعد خالہ زبیدہ آگئیں انھیں بازار جانا تھا کچھ  
ضروری خریداری کے لیے۔ سو مہر النساء کو اپنے ساتھ لے  
جانے کے لیے آئی تھیں اکثر وہ انھیں ایسے مواقع پر مال  
دیا کرتی تھی مگر اس وقت خوشی خوشی تیار ہو گئی۔

حبیبہ کو دوپہر کے کھانے کی ہدایت دے کر وہ زبیدہ  
خالہ کے ساتھ گھر سے باہر نکل آئی۔ وکیل صاحب کی بیگم  
کی دی ہوئی خوش خبری خالہ زبیدہ نے رکشے میں بیٹھے  
ہوئے ٹریفک کے بے ہنگم شور کے درمیان سنی۔

”بس خالہ اللہ نے میری سُن لی میری حبیبہ ہمیشہ  
میرے پاس ہی رہے گی۔ میرا تو دل چاہ رہا تھا کہ فوراً یاد  
کر لی کہ وہاں کہہ دوں!“ مہر النساء کی آواز خوشی سے لبریز  
تھی۔ خالہ زبیدہ اُس کی سادگی پر مسکرائے جا رہے تھیں۔  
”بے وقوف ہے بالکل مہر النساء ابھی تک۔ ایسے ہاں  
کر دی جاتی ہے کیا! خبردار جب وہ رشتے لے کر آئیں تو  
سوچنے کے لیے وقت ضرور مانگ لینا بلکہ میں خود بات  
کروں گی، دیکھنا تم۔“

”مگر ہم نے تو پہلے ہی سوچ لیا ہے خالہ! اُمید ہی ہے  
تو ابھی سے وہ انھیں یاد دلانے لگی تھی مگر اُن کے گھورنے پر  
خاموش ہو گئی۔

بازار پہنچتے ہی انسان کی کم سٹری خود بخود بدلنے لگتی ہے  
نہ سے بڑا موڈ بھی خوش گوار ہونے لگتا ہے۔ مہر النساء تو  
اس وقت آئی بھی بہت خوش خوش تھی۔ تھوڑی سی فضول  
خرچی بھی کر ڈالی، حبیبہ کے لیے ایک خوب صورت چمکن  
کائٹ کا سوٹ، چائے کے اچھے والے کپ اور تھوڑی بہت  
دوسری چیزیں! وکیل صاحب کے گھر والے آئیں گے تو  
سنے بدتن تو ہونا بہت ضروری تھے اس لیے خریداری کرتے  
وقت صرف یہی خیال رہا تھا۔

واپسی میں تھوڑی سی دیر ہو گئی حبیبہ کی تنہائی کا خیال نہ



ماننا۔۔۔“ وہ کچھ کہتے کہتے رُکی۔

مہر النساء نے بڑی حیرت سے نفی میں سر ہلایا۔

”اس طرح حبیبہ کو گھر پر اکیلا مت چھوڑ کر جایا کرو۔ وہ

بھی اتنی دیر کے لیے میں نے تو شکر کیا کہ اس وقت اشرف

ساتھ نہیں آئے ورنہ وہ تو بہت بُرا مانتے حبیبہ کو گھر میں

اکیلا دیکھ کر۔“ دو جھلون میں اُس نے اپنا اور اشرف کا حق

جتا دیا۔ مہر النساء خجل سی ہو گئی۔

وہ کون سا روز روز کہیں جاتی تھی۔ یہ بات ماہ پارہ کو بھی

پتا تھی اور حبیبہ بھی بتا سکتی تھی مگر شاید دونوں ہی نے

ضرورت نہیں سمجھی، حبیبہ کھانا لگانے گئی ہوئی تھی۔ ماہ پارہ

نے دوسری باتیں چھیڑ دیں۔

اپنی بیٹیوں کے رشتے، بھائیوں کی طوطا چٹشی وغیرہ

وغیرہ! وہ صرف ایک دن کے لیے ہی آئی تھی۔

مہر النساء کا بے حد دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی اُسے حبیبہ

کے رشتے کے بارے میں بتائے کہ اُس نے آخر کار کتنا

اچھا لڑکا حبیبہ کے لیے تلاش کر لیا ہے بلکہ شام میں پاراٹ

میں وہ ملنے جانے کے بہانے اُسے لڑکا بھی دکھا لائے

گی۔ یہ وہ سوچ چکی تھی۔ مگر حبیبہ بھی قریب بیٹھی تھی اس

لیے مہر النساء کو مصلحتاً خاموش رہنا پڑ رہا تھا۔ البتہ دوپہر کے

کھانے سے فارغ ہو کر جب حبیبہ اُن دونوں بہنوں کو

چائے کے کپ دے کر اپنے کمرے میں چلی گئی تب اُس

سے مزید ضبط نہ ہوا۔

”مجھے تم سے ضروری بات کرنا تھی پارو، اچھا ہوا جو تم

آ گئیں۔“ ماہ پارہ کی نگاہیں ابھی تک دروازے کی طرف

تھیں جہاں سے تھوڑی دیر پہلے حبیبہ نکل کر گئی تھی اور

چہرے پر کسی گہری سوچ کی چھاپ۔

مہر النساء کے مخاطب کرنے پر وہ اُس کی طرف مڑی

ضرور مگر اُس کی بات شاید اُس نے سنی ہی نہیں تھی۔

”تم نے مجھ سے پوچھا نہیں مہر و آ پا حبیبہ نے مجھے فون

کر کے کیوں بلایا ہے۔“ یہ وہ سوال تھا جو مہر النساء کو خود

بڑی دیر سے پریشان کیے ہوئے تھا۔ مگر خوشی کے اس ماہ

میں وہ تمام الجھن بھری باتوں کو خود سے دور رکھنا چاہتی

تھی۔

”اس میں سوچنے کی کیا بات ہے! یاد آ رہی ہوگی

لوگوں کی، اکیلی بھی تو رہتی ہے نا!“ ایک پھسکی

مسکراہٹ کے ساتھ اُس نے ماہ پارہ کی طرف دیکھ

جہاں سنجیدگی کے ساتھ ہلکا ہلکا سا تاسف بھی آنکھوں

میں پھیل رہا تھا۔

”اکیلی تو وہ سدا سے ہی ہے اور یاد بھی کبھی کیا ہو تو

سے کبھی نہیں کہا۔ مجھے تو اُس نے پہلی بار بیکار ہے مہر و آ

بتا نہیں سکتی کس پریشانی میں سا رات کو گزر رہی تھی

وہ۔۔۔ گھر رہے تھے۔“ مہر النساء کا دل جیسے مٹھی میں

لگا۔ اُس کی حبیبہ اتنی پریشان تھی اور اُسے خبر تک نہیں تھی

ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی۔

”بات کی تم نے حبیبہ سے!“ سرسراہٹ سی آواز اُس

خود بھی اجنبی لگی۔

ماہ پارہ نے اثبات میں سر ہلایا اور اُس کے قریب

سرک کر رازداری سے بولی۔

”کوئی لڑکا ہے حبیبہ کی سہیلی کا بھائی، پسند کرتے

ہیں ایک دوسرے کو! ابھی تمہارے آنے سے پہلے

حبیبہ نے خود بتایا ہے۔“ مہر النساء یونہی بے یقینی کے

میں اُسے دیکھے گئی۔ اسے سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ اُسے

کہنا چاہیے۔

”وہ لوگ رشتہ لے کر آنا چاہ رہے ہیں۔ حبیبہ ڈر رہی

ہے کہ تم منع نہ کر دو، تمہیں اُس کی سہیلیاں شاید پسند

ہیں۔“ ایک گہری سانس لیتے ہوئے مہر النساء نے خواہ

سمجھانا چاہا۔

پتا نہیں اُسے زیادہ دکھ حبیبہ کی پسند جان کر ہوا یا

سے بھی زیادہ اس بات پر کہ وہ یہ بات ساری زندگی

کے نام وقف کر دینے کے بعد بھی ماہ پارہ کے منہ سے

نہاؤ نکلا



## جونے لطاف سے انتخاب

مصنف نے آپ کے لیے ایک چارٹ تیار کیا ہے کہ کس پریشانی سے انسان کے جسم سے کتنی کلوریز خارج ہو سکتی ہیں مثلاً:

✽ آف میرے خدا! گزشتہ شب میں عبادت کیے بغیر سو گیا۔ (84 کلوریز)

✽ آج طبیعت ناساز ہے۔ کیا میں دفتر جاؤں یا آرام کروں؟ (50 کلوریز)

✽ کیا میری حرکتوں کی نگرانی کی جا رہی ہے؟ (40 کلوریز، اگر آپ کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں تو)

✽ دفتر میں یہ نیا آدمی کون ہے اور کیا کام کرتا ہے؟ کہیں یہ ایم ڈی کا خاص آدمی تو نہیں؟ (60 کلوریز)

✽ فلاں بات سے چیئر مین کی مراد کیا تھی؟ (75 کلوریز)

✽ میرا وزن بڑھتا ہی جا رہا ہے، کیا کروں؟ (90 کلوریز)

اس کتاب کے مطالعے سے ایک بہت بڑا راز میرے ہاتھ لگا۔ وہ یہ کہ الٹی سیدھی باتیں سوچ کر خواہ خواہ اپنے آپ کو پریشان رکھیں اور الم ناک واقعات یاد کر کے اپنے چہرے پر ہر وقت اُداسی طاری رکھیں۔ کیوں کہ شاعروں کی طرح پریشانوں کی بھی کمی نہیں ایک ڈھونڈو ہزار ملتی ہیں۔ یوں اس سوچ بچار کے نتیجے میں اپنے جسم سے فالٹو کیلوریز نکال کر آپ بہ آسانی خوب صورت رہ سکتے ہیں!

لاہور سے آمنہ شریف کا تحفہ

ہو مہر و آ پا۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔“ تیز طرار، زبان دراز  
ماہ پارہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی باریک سی دھار نکل  
کراؤں کے چہرے کو بھگور ہی تھی۔  
تمکین پانی کا ایک آبشار مہر النساء نے اپنے دل پر  
بھی گرتا محسوس کیا۔ وہ ماں نہیں تھی۔ اُس نے یہی  
ایک بات بھلائے رکھی زندگی بھر مگر باقی سب ہی نے  
اُسے یاد رکھا۔

”شاید وہ ہی اپنی اوقات سے زیادہ کی تمنا کرنے کی  
غلطی کر رہی تھی یا شاید...“  
”تم تو کسی بھی بھائی کے ساتھ رہ سکتی ہو۔ چلو میرے  
ساتھ ہی رہ لینا مگر حبیبہ کی زندگی بن جانے دو۔“ پارو پتا  
نہیں کیا کچھ کہے جا رہی تھی۔ مہر النساء کے ذہن میں یاور،  
صبح الدین، روشن جگمگاتی آنکھیں سب کچھ تیزی سے  
ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوتا چلا گیا۔  
”زندگی میں کبھی کبھی دکھ کی رات کبھی ختم نہ ہونے والی  
کالی رات ہو جاتی ہے...“

رہی ہے!  
”لڑکا کیا کرتا ہے؟“ لہجے کو حتیٰ امکان عام سا رکھتے  
ہوئے اُس نے پوچھا۔ امید کی ایک ہلکی سی کرن تھی کہ  
شاید کسی جگہ وہ اُس کے انتخاب سے کم زور پڑ رہا ہو، مگر ایسا  
نہیں تھا۔

”غیبت ہے۔ ریاض میں جاب کرتا ہے کسی چیئر ویمن  
جیسی کو بھی وہیں لے جائے گا!“ پارو خوشی خوشی  
بتانے لگی۔ اس بار کا جھگڑا زیادہ شدید تھا۔

”اتنی دور! نہیں... نہیں! میں حبیبہ کو اتنی دور نہیں بھیج  
سکتی، میں اُسے خود سمجھاؤں گی۔ تم رہنے دو بس۔“ اُسے  
ایک دم ہی ماہ پارہ پر غصہ آنے لگا جو خواہ خواہ اُس کے اور  
حبیبہ کے بیچ چلی آئی تھی۔

”تم ایسا نہیں کر سکتیں مہر و آ پا۔ اُس نے بہت تمھاری  
تجہائی بات لی، اب اُسے اُس کی زندگی جینے دو اگر وہ  
تمھاری اپنی بیٹی ہوتی تو کیا تم اس طرح اُس کی خوشیاں  
پامال کر سکتی تھیں۔ میری بچی کی خوشی کی راہ میں حائل مت